توشہ قلندر

تحقیق و ترتیب

عرفان ترابی

توشۂ قلندر

(مُنی لال جوانؔ سندیلوی کے مرثیے اور سلام)

تحقیق و ترتیب

عِرفان تُرابی

ترابی پبلیکیشنز کاوہ پورہ سوناواری کشمیر

Website:-books.myasa.net/turabi

نام کتاب	:	توشۂ قلندر
تحقیق وترتیب	:	عِرفان ترآبی
چھاپ اوّل	:	۲۰۱۷ء
کمپیوٹر کمپوزر	:	عبدالرشید وانی
		وانی کمپیوٹرس آلوچی باغ سرینگر 9419903983
چھاپ خانہ	:	تاج پرنٹنگ سروس دہلی
قیمت	:	۲۰۰ روپے
ناشر	:	تُرابی پبلیکیشنز کاوہ پورہ سوناواری ڈاک خانہ شادی پورہ، پن ۱۹۳۵۰۱ کشمیر 09469038296

ملنے کے پتے:

۱/ کتاب گھر لالچوک سرینگر
۲/ سپریم لائٹ بک شاپ گاسی یارحول سرینگر
۳/ اورینٹل بک شاپ اوقاف بلڈنگ گاسی یار سرینگر
۴/ حاجی کلوواچ ہاؤس ہنومان مندر ہری سنگھ ہائی سٹریٹ سرینگر
۵/ امامیہ بک شاپ علمگری بازار سرینگر
۶/ کُتب خانہ ابوتُراب بڈگام سرینگر
۷/ بسم اللہ بک شاپ چھاتر گام سرینگر
۸/ دفتر تنظیم المکاتب ہمدانیہ کالونی بمنہ سرینگر
۹/ سرینگر بک شاپ بڈگام
۱۰/ اہلبیتؑ بک سنٹر گونگو پلوامہ



عرفانی تُرابی پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں نمائندۂ رہبر ملت آقائے مہدی مہدوی پور اور سفیر ایران جناب غلام رضا انصاری کے ساتھ



عرفان تُرابی پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں نمائندۂ رہبرِ ملت آقائے مہدی مہدوی پور کے ساتھ

فہرست

کیا نمازیاں فوج خدا نام کر گئے!
لاکھوں سے تشنہ کام لڑے، کام کر گئے
فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم عام کر گئے
اُمت کی مغفرت کا سر انجام کر گئے

پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر ان کے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

دین دار و سر فروش و شُجاع و خوش اعتقاد
ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخل قد پہ وہ سمجھے گُلِ مراد
مردانگی یہ پیاس میں، فاقوں میں یہ جہاد

تیغوں سے بند کون سا اُن کا کٹا نہ تھا
پر معرکے سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

رستم اُٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے
شیروں کے کانپتے تھے جگر اُن کے سامنے
پھیکی تھی روشنیٔ قمر اُن کے سامنے
اُڑتا تھا رنگ روئے سحر اُن کے سامنے

بخشا تھا نور حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن، جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

میر انیس

انتساب

حضرت حُرؓ کے نام

جنہوں نے آخری وقت ہی سہی اپنے نفس کی لگام باطل سے حق کی جانب موڑ دی۔ حسینؑ نے مغفرت کی سند عطا کی اور تاریخی وتوصیفی کلمات کہے۔

''خدا تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ مبارک ہو۔ واقعی تم حُرمنش ہو۔ ویسے ہی جیسا تمہاری ماں نے نام رکھا ہے۔ تم آزاد ہو انشاء اللہ دنیا ہیں آخرت میں بھی'' صحرائے کربلا میں یزیدی فوج کے قتل شدہ سرداروں کی قبریں اُسی وقت ناپید ہو گئیں لیکن حُسینؑ وبقیہ شہدائے کربلا کے ساتھ ساتھ حضرت حُرؓ کا روضہ بھی اُن سے الگ جگہ پر مرجع خاص وعام ہے اور اُن کی بے باکی، حق پرستی اور خوف خدا کی داستان رقم کر رہا ہے۔

حُرؓ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں داخل محشر ہوں گے اس دُنیا میں اُن کے سر پر رومال حضرتِ فاطمۃ الزہراؑ بندھا ہوا ہے اور دوسری دنیا میں اُن کے سر پر شہادت کا تاج سجایا جائے گا۔ اُن کا زخمی سینہ اعزاز واکرام کے تمغوں سے مزّین کیا جائیگا۔ چند روزہ دنیاوی زندگی کے بجائے وہ ابد الآباد جنت الفردوس کی سیر کریں گے اور وہاں کی نعمات ہائے کثیرہ سے لُطف اندوز ہوں گے۔ خدا کرے اُن کے طفیل مجھ روسیاہ کو بھی رفاقت حسینؑ حاصل ہو جائے۔ آمین

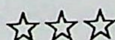
عرفان تُرابی



قلندر میلِ تقریرے ندارد
بجز ایں نُکتہ اکسیرے ندارد
از آں کِشت خرابے حاصلے نیست
کہ آب از خونِ شبیرؑ ندارد

ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ

یعنی یہ قلندر (اقبالؔ) جو صرف تقریر کرنا پسند نہیں کرتا صرف ایک نکتہ جو اکسیرِ حیات اور ثمر زندگی ہے بتانا چاہتا ہے کہ اسلامی زمین جو بنجر اور ویران ہو چکی ہے۔ اُس سے کوئی بھی چیز اُس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ اُسے خون شبیرؑ (حضرت امام حسینؑ علیہ السلام) سے سیراب نہ کیا جائے۔



وہی مردِ مومن ہے "عِرفان تُرابی"

پیتامبر ناتھ درفانی کشمیری

رثائی سمندر کا ان تھک شناور
نہیں جس کو غوّاصیوں کا کوئی ڈر!

وہ دشوار، پُر پیچ راہوں کا راہی
ہے پُر عزم جن کی عجب جان کا ہی

گراں بار ہو کے بھی ہے جو سبک گام
ہر اِک کام جس کا ہوا ہے، خوش انجام

مراثی کے جس نے ہیں ڈھونڈے خزینے
جسے ہاتھ آئے ہیں مخفی دفینے

کہاں کاشمر اور کنیا کماری؟
سفر بیچ ان کے رہا جس کا جاری

تلاش مراثی میں بڑھتا گیا جو
سفر کے مصائب سے لڑتا گیا جو

شہیدوں کی روحیں بھی ہیں جس پہ نازاں
ہے ہر دیں جس کی مساعی پہ قربان

مراثی، مناقب کی شیرازہ بندی
یہ شعرائے بھارت کی ہے ارجمندی

ہیں گم نام شاعر بھی منظر پہ آئے
یہ ہیرے بھی جس نے ہیں سب ڈھونڈ لائے

وہی مردِ مومن ہے ''عرفان تُرابی''
زہے اس کے ایثار کی لاجوابی

خدا داد اُس کی ہے ہمت، جسارت!
ہے غیرت کی اس کے لہو میں حرارت!

جو عرفان اک واقف السنہ ہے
مفسر وہ لاریب ہر شعر کا ہے!

۲۸ مئی ۲۰۱۳ء



اعتراف حق

اپنی ضخیم کتاب ''خونیں نوا'' کی آخری سطر میں میں نے عندیہ دیا تھا کہ میں اب رثائی ادب سے رخصت ہو رہا ہوں۔ ارادہ تھا کہ میں خانگی ذمہ داریوں کو سنبھالوں اور اپنے آپ کو کچھ راحت دینے کے بعد دوسرے ادبی موضوعات کی طرف اپنی ساری توجہ مبذول کروں گا۔ میں نے رثائی ادب کا مواد جو دس برسوں میں تحقیق کیا تھا اُس کو دنیائے علم کے و ادب کے سامنے پیش کیا تھا۔ اگرچہ میں نے اس بات کے اشارے بھی مقدمے میں دیئے تھے کہ میں تین اور کتابوں کے مواد کے لئے ساری پونجی خرچ کر رہا ہوں لیکن چونکہ وہ مواد میری پہنچ سے باہر تھا لہٰذا مجھے وہ حاصل ہونے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔ میرے اِرادے کو بشری کمزوریوں پر محمول کیجئے کیونکہ مولائے کائنات نے فرمایا ہے۔

عرفت ربی بفسخ العزائم

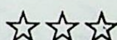
خدا نے ایسے اسباب پیدا کئے کہ مجھے خود اپنے لکھے ہوئے کی تردید کرنا پڑی اور میں سمجھتا ہوں یہ سطر لکھنے کے بجائے مجھے خدائے سخن حضرت میر تقی میر کا ہم نوا بننا چاہیئے تھا جنہوں نے کہا ہے۔

اب تو جاتے ہیں بُت کدے سے میرؔ
پھر ملیں گے گر خدا لایا

میری سوچ کے علیٰ اَلرَّغم خدا نے مجھے پھر واپس لایا اور فی الحال اسی میدان میں دھکیل دیا۔ بہر حال یہ آج ہی نہیں بلکہ میں بار بار اپنی غربت، افلاس، خانگی ذمہ داریوں، اور اقتصادی مجبوریوں کی وجہ سے اس میدان سے نکلنا چاہ رہا تھا لیکن قدرت مجھے بار بار واپس دھکیلتی رہی اور اپنا کام کرواتی رہی بقول حضرت میرؔ

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

عِرفان ترابیؔ



کِشورِ عشق میں ہے اپنا مکان برسرِ راہ
ہر جو غم و درد ہے سو آکے یہاں رہتا ہے

عنبر شاہ آشفتہ

زمانے کی بے رُخی، اقتصادی بدحالی، ناسازی طبع اور کام کے بوجھ نے میری قویٰ پوری طرح مضمحل کیے تھے۔ میں تھک ہار چُکا تھا اور اپنے آپ کو کچھ آرام دینا چاہتا تھا۔ لکھنو سے مظہر عالم لائبریری کے مالک نے اچانک مجھے فون پر پوچھا "میرے پاس منّی لال جواںؔ کا کچھ کلام ہے۔ کیا آپ کو اُس کی ضرورت ہے؟" میں نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ خبر سوئے ہوئے شیر کو سوئی کی تیز چُبھن لگی۔ میری تھکن اچانک غائب ہوگئی، میں نے اپنے آپ کو جوان پایا اور میرا انگ انگ شیرانہ طاقت کی گواہی دینے لگا۔ انہوں نے قیمت کی بات بتائی میں نے آمنا وصدقنا کہا۔ اُن سے اکونٹ نمبر دریافت کیا اور حسبِ وعدہ میں نے اُن کے ایک عزیز کے اکاؤنٹ میں رقم جمع کی۔ سودا طے تو ہوا لیکن میں دِل ہی دل میں سوچتا رہا کہ میرے کرم فرمانے قیس کے جنوں کا صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ اُس نے سستے دام میں اپنا مال بیچا۔ جب چند دن کے بعد کلام میرے پاس پہنچا تو میں نے اندازہ لگایا اگر اس کلام کی قیمت اس سے سوگنا زیادہ ہوتی تو بھی کم تھی۔

"ناسپاس گذاری ہوگی اگر میں مہندر پرتاپ چاندؔ صاحب کا ذکر نہ کروں۔ انہوں نے ایک پاکستانی ذخیرے سے کچھ کلام حاصل کر کے مجھے عنایت کیا۔

اب میں جواںؔ کی جنم کنڈلی تلاش کرنے لگا۔ میں نے اُن کے زائچہ تقدیر کا مطالعہ کیا تو پتا چلا کہ جواںؔ نے منقبتی کلام کے علاوہ پانچ مرثیے بھی

تخلیق کئے ہیں لیکن جب میں نے اپنے خزانے کو کھنگالا تو صرف دو مرثیے
ہاتھ لگے۔ بقیہ تین کہاں ہیں، تحقیق و تجسس سے پتہ چلا کہ یہ تین مرثیے
پروفیسر اکبر حیدری صاحب کی نظر سے گذرے ہیں۔

پروفیسر اکبر حیدری چالیس سال کے زائد عرصے سے موسم سرما لکھنو
میں گذارتے تھے۔ لکھنو میں خزانوں کو ڈھونڈتے، مطلوبہ چیزوں کو حاصل
کرتے، اُن کو بناؤ سنگار کر کے بازار میں لاتے اور من کی پیاس بجھانے کے
بعد ہی سکون سے بیٹھ جاتے۔ وہ ہر بار لکھنوی شریک حیات کو ساتھ لیتے تھے
اور واپسی پر اپنے ہمراہ لاتے تھے۔ اس بار وہ اُن کو ساتھ لے گئے لیکن تقدیر
کے سامنے بے بس ہو کر ساتھ لا نہ سکے یعنی اُن کو اُسی خاک کے حوالے
کر کے روتے بلکتے تنہا واپس آ گئے۔ یہاں پہنچنے پر میں نے اُن سے فون پر
رابطہ قائم کیا تو انہوں نے کہا کہ میری روح سے جسم موافقت نہیں کر رہا ہے۔
ذرا سی طاقت آ جائے میں سیڑھیوں پر چڑھنے کے قابل ہو جاؤں اُسی وقت
بات بنے گی۔ میں بار بار حیدری صاحب سے پوچھتا رہا وہ ابھی نہیں ابھی
نہیں کی رٹ لگاتے رہے میں سوچتا رہا کہ ابھی نہیں، ابھی نہیں کی دیوار آج
نہ کل ضرور ٹوٹے گی لیکن ہوا یہ کہ حیدری صاحب سے فون رابطہ بھی کٹ گیا۔
تنگ آمد بہ جنگ آمد کے مِصداق ایک دفعہ ظفر حیدری سے اُلجھ گیا تو ۷ استمبر
۲۰۱۲ء کو انہی کے ہمراہ اُس کمرے میں داخل ہوا جہاں حیدری صاحب
آخری تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ میرے زور سے پکارنے پر آنکھیں
کھولیں اور دو جملے کہے کہ آنکھیں پھر بند کیں۔ ۱۸ ستمبر کو مالک حقیقی سے

جا ملے۔ میں اپنے ارمانوں کا خون ہوتے دیکھتا رہا۔ بہر حال جب ڈاکٹر ظفر حیدری کا دُکھ کم ہوا تو میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

انہوں نے قلمی مسودات تک رسائی ضرور دی لیکن باریک بینی سے دیکھنے کے باوجود بھی وہ مرثیے نہیں ملے۔ بہر حال بات طے ہوگئی کہ لکھنو میں حیدری صاحب کے قلمی مسودات کو کھنگالنے کی ضرورت ہے تاکہ موجود ہونے کی صورت میں وہاں سے حاصل کیے جائیں۔

میرے جنون کی انتہا دیکھئے کہ میں واقعاً ۹رفروری ۲۰۱۶ء کو حیدری صاحب کے لکھنوی مسکن ۱۲۱ انیا گاؤں ایسٹ پہنچا اور صبح کے 7.30 بجے دروازے پر دستک دی۔ ظفر حیدری صاحب نے دروازہ کھول کر والہانہ استقبال کیا اور حیدری صاحب کے مسودات تک رسائی دی۔ ایک بجے دن تک میں سارے کاغذات کو ٹٹولتا رہا لیکن یہ مرثیے مل نہ سکے اور میں بے نیل مرام واپس کشمیر لوٹا۔ حیدری صاحب صف اوّل کے محقق اور محتاط قلمکار تھے۔ انہوں نے یہ مرثیے اپنی آنکھوں سے کسی کے پاس دیکھے ہوں گے تبھی تو مطلع اور مقطعے درج کیے ہیں۔ آنے والے محققین ان مراثی کے مطلعے اور مقطعے حیدری صاحب کی کتاب ''ہندو مرثیہ گو شعراء'' سے حاصل کر سکتے ہیں۔ کسی نہ کسی وقت وہ نئے محققین کے ہاتھ ضرور لگ جائیں گے اور اُن کا مکمل رثائی کلام زمانے کے بے رحم ہاتھوں سے بچ جائیگا۔[۱] میں نے حسن گنج لکھنو میں جوان کا مکان ڈھونڈنے کی کوشش بھی کی لیکن شومئی قسمت کامیابی ملی نہیں۔ کچھ قلمکاروں سے بھی مدد مانگی لیکن بے سود۔ عرفان تُرابی

---

۱ کتاب مکمل ہو چکی تھی اور پریس کو جانے والی تھی کہ لکھنو سے مرزا محمد یوسف صاحب نے تحفتاً ''انتخاب ادبی مراثی'' کی چار جلدیں بھیجیں اُن سے تیسرا مرثیہ نکل آیا۔ اب صرف دو مرثیے گم ہیں۔ انشااللہ وہ بھی دوسرے ایڈیشن تک مل جائیں گے۔

اے جواںؔ اس باغ میں آؤ تو بیڑا پار ہے
دید کے قابل یہ چودہ پھول کا گلزار ہے

منی لال جواںؔ

یہ شعر اگر میرؔ و غالبؔ کا ہوتا تو تعجب کی بات نہیں تھی اگر انیسؔ اور اقبالؔ کہتے تو حیرانگی کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ مگر یہ شعر رام اور کرشن کو ماننے والے نے کہا ہے۔ جواںؔ اگر کسی باغ سے محبت رکھتے ہیں وہ صرف گلستانِ نبوت ہے جس میں چودہ ۱۴ پھول کھلے ہیں۔ جواںؔ ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں میں اس باغ کی سیر سے سیر ہوا اور میری طرح جو بھی اس باغ میں داخل ہو جائے گا اُسی کا بیڑا پار ہو جائے گا۔ یہ فقط شاعری نہیں بلکہ زمزمۂ دِل ہے جو اُبل کر لفظوں کی صورت میں زبان سے نکل گیا ہے دِل و دماغ پر ثبت شُدہ عقائد ہیں جنہیں دنیا کی کوئی طاقت کُھرچ نہیں سکتی۔ مالک کائنات کے سامنے اعتراف حق ہے۔ لوگوں سے سند لینے کی ضرورت نہیں۔ جواںؔ کے کندھے پہ یہ عقائد کا بینرِ ہے جو وہ میدانِ محشر میں لئے ائمہ اطہار کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ جواںؔ ہی کہتے ہیں۔

اے جواںؔ غم کا ستا یا گشتۂ بیداد ہوں
فاطمہؑ کے لال ہی سے مائل فریاد ہوں

شوہر فاطمہؑ سے کس طرح فریادی ہیں دل کی آواز کس طرح اور کن لفظوں میں لائی ہے وہ بھی قابل دید ہے۔

کون ایسا ہے جسے اور پکاروں مولاؑ
بحرِ غم میں ہوں پھنسا مالک قنبرؑ مدد دے

بات بالکل عیاں ہے۔ درخشاں سورج مالک کائنات کے نور کی تجلّی ہے۔ نہ آفتاب کے نور بکھیرنے میں کوئی تخصیص ہے نہ نور سے فیض حاصل کرنے میں رنگ، نسل، ذات خطے اور مذاہب کی دیوار حائل ہے۔ آفتاب کائنات کے ذرّے ذرّے پر نور بکھیرتا ہے اور بندگان خدا اِسی نور سے فیض حاصل کرتے ہوئے کاروان حیات کو آگے لے جاتے ہیں۔ خاندانِ نبوت کی شخصیتیں مجسمۂ نور ہیں اور ہر ظرف یافتہ شخص نے اُن سے کسب فیض کیا ہے۔ خاندانِ نبوت کے چھٹے امام نے فرمایا ہے۔

''علم ایک نور ہے اللہ تعالیٰ جس کے دل میں اُتارنا چاہتا ہے اُتارتا ہے۔'' اس نور کی کرن جواںؔ کے دل میں داخل ہوئی ہے۔ جس کی بدولت وہ ہمیشہ جوانی کی رعنائی اور دلکشی سے سرفراز رہیں گے۔ کہاں زُنّاری اور کہاں مولائے کائنات کی منقبت نگاری، سیتا سے عقیدت مگر خاتون جنتؑ کی بے پناہ مدحت، رام و کرشن سے وابستگی شبرؑ و شبیرؑ سے دل لگی اور ذہنی ہم آہنگی۔ بہرحال خاندانِ نبوت نے جواںؔ کو اپنا گرویدہ بنایا تھا جس کا برملا اعلان اُن کی شاعری ہے جس میں عقیدت کے ساتھ ساتھ پختگی اور برجستگی نمایاں ہے۔

مَنی لال جوآں ۱۸۸۹ء میں ریاست اُتر پردیش کے سندیلہ ضلع ہر دوئی میں پیدائے۔ جمعہ ۲۵ فروری ۱۹۷۴ء کو شام کے ۶ بجے محلّہ حسن گنج لکھنو میں چل بسے۔ والد کا نام گلاب رام تھا۔ وہ تجارت سے وابستہ تھے۔ مَنی لال جوآں نے فقط آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے بعد والد کے ساتھ تجارت میں لگ گئے۔ کچھ ایسے حالات بدلے کہ ان کے والد نے اپنی تجارت اور سکونت لکھنو منتقل کی۔ مَنی لال بھی والد کے ساتھ لکھنو چلے آئے اور اپنے ذوق وشوق کی وجہ سے اُردو وفارسی میں مہارت حاصل کرلی۔

جوآں نے ۱۹۰۵ء یعنی فقط پندرہ برس کی عمر سے شعروشاعری کو اپنا مشغلہ بنایا تھا۔ ابتداء میں حکیم عبدالقدیر ہُنَر سے استفادہ کیا۔ بعد میں انور حسین آرزو لکھنوی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ ۱۹۲۸ء میں آرزو کو فلم سازوں نے لکھنو سے کلکتہ بُلایا۔ جوآں نے بھی اُستاد کے ساتھ ہجرت کی اور وہاں پہ کاروبار شروع کیا۔ ۱۹۶۰ء میں واپس لکھنو آگئے۔ کُلیاتِ جوآں حصہ اوّل عرف "حسین چراغاں" ۱۹۶۳ء۔ کُلیاتِ جوآں حصہ دوم عرف "شوخ غنچہ" ۱۹۶۴ء۔ کُلیات جوآں حصہ سوم عرف "چراغ قاف" ۱۹۶۶ء۔ سوزِ دِل، رُباعیات جوآں، خوش رنگ پھول۔ فریاد وجواب فریاد (بطرز شکوہ وجواب شکوہ از اقبالؔ) مع غزلیات رام بن باس اُن کے شعری کارنامے چھپ چکے ہیں۔ پانچ مرثیے بھی اُن کی یادگار ہیں منقبتیں بھی کہی ہیں۔

جوآں عشق محمدؐ وآلِ محمدؐ سے سرشار تھے۔ یہ سعادت انہیں ازلی طور

نصیب ہوئی تھی اب وہ اس کا اظہار کرنا چاہتے ہیں لیکن وسائل کیا ہونے چاہیں جن کی بدولت بُقعہ نور کے بارے میں کچھ کہیں ان ہی سے سنتے ہیں۔

نصیب ہو جو مجھے آبِ چشمہ کوثر
زبان دھو کے کروں مدحِ آلِ پیغمبرؐ
یہ جانتا ہوں کہ یہ راہ سخت تر ہے مگر
یہی دُعا ہے خدا سے مری بہ دیدۂ تر
زبان کو زور ، روانی قلم کو مل جائے
دِلِ حزیں کا کنول مُسکرا کے کِھل جائے

اب اگر جواںؔ حب محمدؐ آلِ محمدؐ کا اظہار کریں یہ کئی لوگوں کو ناگوار گذرے گا وہ نہیں چاہتے کہ گلزارِ نبوت کی تعریف وتشتہر کی جائے۔اُن سے جواںؔ کس طرح الجھنا چاہتے ہیں۔

سجاؤں آلِ محمدؐ کی مدح کا وہ چمن
ہر ایک پھول دکھائے کچھ اس بلا کی پھبن
ہو دوستوں کو خوشی دشمنوں کو رنجن و محسن
جلا کے خاک کرے حاسدوں کو دل کی جلن
لپک سے سوز حسد کی ہلاک ہو جائیں
ستمگروں کے گریباں چاک ہو جائیں

جواںؔ حاسدوں سے اُلجھ کر گلزار نبوت میں داخل ہوئے۔ جونہی گلستان کے سرتاج پر نظر پڑی۔ جواںؔ حیرت واستعجاب کے سمندر میں غرق

ہوئے۔آنکھیں خیرہ ہوئیں۔زبان گنگ اور کلام لکھنے سے عاجز۔جو شخصیت مظہر صفات خدا ہو وہاں قلم کیا خاکہ کھینچے گا۔جواں سے ہی روداد سنتے ہیں۔

ناخدا کونین کے اسم گرامی مصطفاؐ
شافعِ روزِ قیامت معنی قالو بلا
حور و غلماں و ملک کیا شے خدا خود شیفتا
ہو نہیں سکتی بہر صورت پیمبرؐ کی ثنا

حُسن بھی رکھتا ہے دِل میں آرزو دیدار کی
مدح ناممکن ہے ایسے مخزنِ انوار کی

شیرِ جبار، صاحب ذوالفقار، حیدر کرار، ساقیٔ کوثر کو کس نظر سے جواں دیکھتے ہیں۔بالکل صاف بات کہی ہے جواں نے جس میں نہ غلو ہے نہ افراط وتفریط

دونوں عالم پر علیؑ کا مرتبہ ہے آشکار
بازوئے محبوبِ خالقؐ، قوتِ پروردگار
یہ صدا آئی کیا مرحب پہ جب حیدرؑ نے وار
لافتا اِلاعلیٔ لاسیف الا ذوالفقار

شوہرِ بنتِ نبیؐ ساقی کوثر آپ ہیں
ناخدا اسلام کے مولائے قنبرؓ آپ ہیں

جواں نے علیؑ کو بازوئے محبوب خالقؐ،قوت پروردگار، صاحب لافتیٰ ساقیٔ کوثر، اسلام کے ناخدا اور مولائے قنبرؓ کے القابات سے نوازا ہے اس

سے زیادہ بشری ذہن علیؑ کی تعریف اور کیا کر سکتا ہے۔

حسینؑ کی تعریف اتنی جامع انداز میں کی ہے کہ ہر دانشور داد دئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ سارا فلسفۂ شہادت ایک شعر میں سمویا ہے۔

جان دے کر کی حفاظت گلشن اسلام کی
صبح کے جلوے سے تاریکی بدل دی شام کی

جو بات کھول کر ایک کتاب میں رقم کی جائے گی وہ جواںؔ نے ایک شعر میں سمودی ہے۔

فکر یہ ہے گلشنِ اسلام مرجھانے نہ پائے
سر کٹے، کٹ جائے لیکن اس پہ آنچ آنے نہ پائے

یہ بات زبان زدِ عام خاص اور اظہر من الشمس ہے کہ خاندانِ نبوت کے چھٹے امام حضرت جعفر صادقؑ کے سامنے تمام مکتب ہائے فکر کے علماء زانو ادب تہہ کرتے تھے ان میں سواد اعظم کے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ بھی تھے۔ ان ہی سے باقی ائمہ نے کسب فیض کیا ہے۔ تاریخ میں امام صادق کی علمی برتری اور تفوق کے ڈنکے برابر بج رہے ہیں۔ جواںؔ کس نظر سے امام الا صادقؑ کو دیکھتے ہیں۔

جعفر صادقؑ ہیں ابن باقرؑ عالی وقار
گلستان احمدیؐ کے کھلتے پھولوں کی بہار
آپ کی شانِ امامت کُل جہاں پر آشکار
ہر نفس ہیں آپ محوِ طاعتِ پروردگار

ہے نشاں سجدے کا یا روشن چراغ شام ہے
آستانہ آپ کا اک جلوہ گاہ عام ہے

بہر حال ایک ایک امام کی مدح وستائش کے بعد منی لال ایک خاص نتیجے پر پہنچ کر جاودانی ہورہے ہیں۔ اگرچہ جواں نے بھرپور بڑھاپا دیکھا ہے لیکن دنیا سے واقعاً جواں ہو کر رخصت ہورہے ہیں۔

اے جواں اس باغ میں آؤ تو بیڑا پار ہے
دید کے قابل یہ چودہ پھول کا گلزار ہے

عرفان تُرابی
بدھوار ۱۳ فروری ۲۰۱۳ء
۱۲½ بجے دن

میخانہ محمدؐ کا

مَنی لال جوانؔ سندیلوی

سرِ میّت اگر چھیڑو گے افسانہ محمدؐ کا
کفن کو پھاڑ کر اُٹھے گا دیوانہ محمدؐ کا

عطا کرتا ہے وہ قدرت چراغِ حسن کا جلوہ
پروں سے پہلے اُڑتا ہے پروانہ محمدؐ کا

بدل دیتا ہے سیّاروں کی گردش عشقِ پیغمبرؐ
مقدّر سے دبے کس طرح دیوانہ محمدؐ کا

مسلمانوں کو جانے دو، یہ کُفاروں کا عالم ہے
کہ اب تو چھین کر پیتے ہیں پیانہ محمدؐ کا

جواںؔ جس وقت پہنچو گے تو آجاؤ گے حیرت میں
ابھی دیکھا نہیں ہے تم نے میخانہ محمدؐ کا

☆☆☆

معراج

آج کیا ہے جو سجاوٹ ہے سر چرخ بریں
چاندنی رات بھی دلکش ہے، ستارہ بھی حسیں
نور ہی نور ہے ظلمت کا کہیں نام نہیں
قابلِ دید ہے گلزارِ جناں کی تزئیں

حکم خالق ہے فرشتے سبھی ہشیار رہیں
میرے محبوبؐ کی تعظیم کو تیّار رہیں

یہ ہے وہ رات کہ جس رات کو جبریل امیںؑ
لے کے پیغام خدا آئے محمدؐ کے قریں
اور اس طرح عرض کی اے خاتم عرفاں کی نگیں
ہے طلب آپ کی دنیا سے سرِ عرش بریں

اور راتوں سے ہے عظمت میں سوا آج کی رات
ہوگی مشہور دو عالم میں یہ معراج کی رات.

ہفت گردوں کو فرشتوں نے سجا رکھا ہے
ذوقِ دیدار نگاہوں میں چھپا رکھا ہے
راستہ آپ کے جانے کا بنا رکھا ہے
حوصلہ چشم تمنّا کا بڑھا رکھا ہے

صدقہ ہو حکم ہے یہ بادِ بہاری کے لئے
ایک بُرّاق ہے حضرتؐ کی سواری کے لئے

مرے ہمراہ سوئے چرخ سدھاریں حضرتؐ
خود کو چلنے کے لئے جلد سنواریں حضرتؐ
لوٹ کر حسنِ حقیقی کی بہاریں حضرتؐ
ناؤ ڈوبی ہوئی اُمّت کی ابھاریں حضرتؐ

عاصیوں پر بھی عنایت کی نظر ہو جائے
ظلمتِ شام سپیدۂ سحر ہوجائے

سنتے ہی حکم خدا ہوگئے تیار نبیؐ
کِھل اُٹھی فرطِ مسرت سے تمنّا کی کلی
باغِ عالم سے سوئے چرخ سواری جو بڑھی
پیشوائی کے لئے حسن کی بجلی چمکی

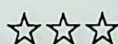
نظرِ شوق چلی ساتھ مگر جا نہ سکی
یوں روانہ ہوئے حضرت کہ صبا پا نہ سکی

نور ہی نور سرِ چرخ نظر آتا ہے
خود خدا جس کا ہے طالب وہ بشر آتا ہے
بحر عرفانِ محبت کا گُہر آتا ہے
آج اللہ کا مہمان ادھر آتا ہے

سب ہیں بے چین پیمبرؐ کی زیارت کے لئے
جاتے ہیں عرش پہ اُمّت کی شفاعت کے لئے

خلوتِ طالب و مطلوب کا نہ پوچھو احوال
خاک ہو جائیں اگر آئیں یہاں وہم و خیال
ہو تصور کا گزر یہ بھی ہے اک امر محال
اس طرف خوف ادھر دوست کے لہجے میں سوال

یہ ہے وہ راز کہ جو ذہن میں آنے کا نہیں
جز نبیؐ کوئی جواں عرش پہ جانے کا نہیں



استغاثہ بہ مولا علیؑ

موت کا وقت ہے یا فاتحِ خیبر مدد ے
ناؤ منجد ھار میں ہے ساقیِ کوثر مدد ے

گردشِ رنگِ زمانہ نے مجھے گھیرا ہے
وقت مشکل کا ہے یا حیدرؑ صفدر مدد ے

آپ اگر چاہیں تو آئی ہوئی ٹل سکتی ہے
غم سے ہے حال دِگر نفسِ پیمبرؐ مدد ے

کون ایسا ہے جسے اور پکاروں مولاؑ
بحرِ غم میں ہوں پھنسا مالک قنبرؑ مدد ے

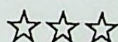
آپ کی چشم کرم ہو تو مصیبت مٹ جائے
مخزن جود و سخا دل کے تونگر مدد ے

مجھ کو طوفان مصیبت نے ستا رکھا ہے
بحرِ عرفانِ الٰہی کے شناور مددے

سہل ہو جاتی ہے مشکل نہیں لگتی ہے دیر
مُنہ سے جس وقت نکل جاتا ہے حیدرؓ مددے

یہی ہر بار مرے دل سے نکلتی ہے صدا
بہر زہراؑ مدد دے بہر پیمبرؐ مددے

اے جواں امت احمدؐ یہی دیتی ہے صدا
زور بازوئے نبیؐ دین کے رہبر مددے



خانۂ پیمبرؐ

گھر آج پیمبرؐ کا ہم پایۂ جنت ہے
غلمانوں کا مجمع ہے حُوروں کی جماعت ہے
ہر سمت بہر صورت فردوس کی زینت ہے
مکہ میں جدھر دیکھو اک جوش مسرت ہے
آئینہ محویت ہر دیدۂ عبرت ہے

ہوتے ہیں زمانے میں اس بات کے اب چرچے
چھائے ہوئے بادل میں میخانہ رحمت کے
اِک جام کے پیتے ہی اُٹھ جائیں کے کُل پردے
یہ کان میں رِندوں کی کہتا ہے کوئی جسے
اس بادہ رحمت کی ہر موج میں جنت ہے

کی ہے یدّ قدرت نے مے خانہ کی وہ زینت
دُنیا میں کوئی جس کی کرسکتا نہیں مدحت
ہر رِند کے چہرے کی بدلی ہوئی ہے رنگت
سکتا سا ہوا مجھ کو یہ دیکھ کے کیفیت
اُمڈا ہوا ساقی کا دریائے سخاوت ہے

کہتا ہوں جو میں تجھ سے وہ جھوٹ نہیں اصلا
بے وجہ یہاں تک کب ہے یہ جوش مسرت کا
ہر سمت زمانے میں اس بات کا ہے چرچا
کاشانہ احمدؐ میں دختر ہے ہوئی پیدا
چہرہ سے عیاں جس کے اللہ کی قدرت ہے

وہ دیکھو سوئے گردوں واباب ہے جنت کا
سامان مہیا ہے ہر شخص کی دعوت کا
ہے ہاتھ پہ رضوان کے ساغر مئے عشرت کا
بے وجہ نہیں ہرسو یہ جوش مسرت کا
معصومۂ عالم کی تاریخ ولادت ہے

اس سے نہ بڑا ہوگا عظمت کا کوئی شاہد
اس سے نہ بڑا ہوگا عفت کا کوئی شاہد
اس سے نہ بڑا ہوگا حرمت کا کوئی شاہد
اس سے نہ بڑا ہوگا عصمت کا کوئی شاہد
پڑھ لیجئے قرآن میں تطہیر کی آیت ہے



گلزارِ چہاردہ معصومینؑ

ناخدا کونین کے اسمِ گرامی مصطفاؐ
شافع روزِ قیامت معنی قالو بلا
حور و غلمان و ملک کیا شے خدا خود شیفتا
ہو نہیں سکتی بہر صورت پیمبرؐ کی ثنا

حُسن بھی رکھتا ہے دل میں آرزو دیدار کی
مدح ناممکن ہے ایسے مخزنِ انوار کی

فاطمہؑ بنت نبیؐ خاتون جنت ہے لقب
آپ کی تخلیق کا سیبِ بہشتی ہے سبب
خود خدا مداح وہ ذی مرتبہ عالی نسب
عظمت زہراؑ کی مدحت کرتا ہے قرآں میں رب

وصف ظاہر آپ کے ہیں آیۂ تطہیر سے
شان عظمت آئینہ قرآن کی تفسیر سے

دونوں عالم پر علیؑ کا مرتبہ ہے آشکار
بازوے محبوبِ خالق قوتِ پروردگار
یہ صدا آئی کیا مرحب پہ جب حیدرؑ نے وار
لافتا الاعلیؑ لاسیف الا ذوالفقار

شوہر بنتِ نبیؐ ساقی کوثر آپ ہیں
ناخدا اسلام کے مولائے قنبرؓ آپ ہیں

ہے زباں قاصر حسنؑ کی کیجئے کیوں کر ثنا
فاطمہؑ کے راحت جاں نورِ چشمِ مُرتضےٰؑ
رکھتے ہیں حُسن عمل وہ ہم شبیہ مصطفےٰؐ
دیکھ کر کہتے ہیں سب صلِ علیٰ صلِ علیٰ

کیجئے تعریف کیوں کر جب سرّاپا نور ہیں
یہ سمجھ لو پرِ تو حسن چراغ طور ہیں

ہو بیاں کیوں کر حسینؑ ابن علیؑ کا ماجرا
مُنہ نہ پھیرا راہ حق سے اور گلا کٹوا دیا
صبر و استقلال کا طے اس طرح جادہ کیا
آرہی ہے مرحبا کی دونوں عالم سے صدا

جان دے کر کی حفاظت گلشن اسلام کی
صبح کے جلوے سے تاریکی بدل دی شام کی

ہیں جناب عابدؑ بیمار فرزند حسینؑ
ناز کے قابل نہ ہوں کس طرح شہؑ کے نور عین
شاہ دیںؑ کے بعد بیکس نے کہیں پایا نہ چین
قیدِ زنداں میں رہے دل بندِ شاہ مشرقین

سہہ کر دُکھ بھی سجدۂ خالق بجالاتے رہے
بیکسوں کو صبر کی تلقین فرماتے رہے

باقرِؑ عالی ہم فرزند زین العابدینؑ
پائے بوسی کے لئے ختم آسماں صدقے زمیں
وجد کرتی ہیں نگاہیں آپ ہیں اتنے حسیں
دیکھ لے آنکھوں سے وہ جس کو نہ آتا ہو یقیں

آپ کے رُخ سے پشیماں ہے کرن خورشید کی
حُسن کے پرتو سے نادم ہے پھبن خورشید کی

جعفر صادقؑ ہیں ابن باقرؑ عالی و قار
گُلستان احمدیؐ کے کِھلتے پھولوں کی بہار
آپ کی شانِ امامت کُل جہاں پر آشکار
ہر نفس ہیں آپ محوِ طاعتِ پرور دگار

ہے نشاں سجدے کا یا روشن چراغِ شام ہے
آستانہ آپ کا اک جلوہ گاہ عام ہے

جعفر صادقؑ کے بیٹے کاظمؑ ذی مرتبا
پیشوائے دین حق پابند مرضئ خدا
نورِ حق سے آپ کا دل ایک روشن آئینا
ہر نفس پر بخشش اُمت کی کرتے ہیں دُعا

آپ بھی تو پاسبان گلشن اسلام ہیں
حق کو بھی مرغوب ہیں مقبولِ خاص و عام ہیں

ہیں رضاؑ فرزند کاظمؑ کیجیے کیوں کر ثنا
آپ کی ہر بات گویا درس ہے قرآن کا
منزلت دنیا سے بڑھ کر سب سے اعلیٰ مرتبا
دِل مثال شمع روشن لب پہ ذکر کبریا

معجزہ رکھتی ہے جو وہ آپ کی ہر بات ہے
دن کو کہہ دیں رات تو پھر دن نہیں ہے، رات ہے

ہیں تقیؑ ابن رضاؑ بھی پاک طینت خوش سیر
جن کے حُسن روئے زیبا پر تصدق ہے قمر
موم ہو جاتا ہے پتھر وہ تکلّم میں اثر
آپ کے حُسنِ عمل کے مدح خواں ہیں بحروبر

آپ کے حُسنِ عمل پر خود عمل کو ناز ہے
آپ جو کہتے ہیں وہ قرآن کی آواز ہے

ہیں نقیؑ ابن تقیؑ میں سارے عالم کے صفات
ہو رہی ہے آپ سے سیراب ساری کائنات
آپ کی شیریں کلامی سے ہے شرمندہ نبات
دن فروزاں آپ سے ہے آپ سے روشن ہے رات

نورِ ایمانی سے عالم کو منوّر کردیا
دیکھا کانٹے کو تو کانٹے کو گلِ تر کر دیا

ہیں جناب عسکریؑ ابن تقیؑ فردِ جہاں
رونق باغ محمدؐ اور اس کے باغباں
ضو فگن دار فنا میں ہیں مثالِ کہکشاں
ہم ہیں اہل کارواں تو آپ میر کارواں

اِس چمکتے مہر کا عالم میں ہر سو نور ہے
نقش سجدہ ہے جبیں پر یا چراغ طور ہے

ہیں جناب مہدیؑ دیں نور چشم عسکریؑ
جن کے پائے پاک پر جھکتا ہے چرخ چنبری
آپ آئے ہیں مٹانے خود سروں کی خود سری
کرتی ہے روشن نظر کو آپ کی جلوہ گری

اے جواںؔ اس باغ میں آؤ تو بیڑا پار ہے
دید کے قابل یہ چودہ پھول کا گلزار ہے



ہفت بند

منی لال جواںؔ سندیلوی

السّلام اے فاطمہؑ کے لختِ دل نورِ نظر
السّلام اے بیکس و مظلوم امامِ بحر و بر

گاہ بنتِ مصطفےٰؐ کی گود میں جلوہ نما
گاہ آغوش نبیؐ میں گہ نبیؐ کے دوش پر

درس زہراؑ سے مِلا، شیر خداؑ سے تربیت
سایۂ محبوب خالقؐ میں ہوئی طفلی بسر

آپ کا روئے حسیں ہمشان روئے مصطفےٰؐ
آپ کو بچپن سے اخلاق نبیؐ مدِّ نظر

روح محبوبِ الٰہی مرتضیٰؑ کے دل کا چین
خاتمِ صبر و رضا کے بے بہا رنگیں گہر

ثانیٔ شیر الٰہی یادگارِ مرتضےٰؑ
آپ کی رگ رگ میں پنہاں شِیر زہراؑ کا اثر

صبر و اِستقلال مثلِ فاتح خیبر شکن
دل میں جوشِ مرتضیٰؑ بازو میں بھی زور پدر

مخزن صبر و رِضا پابند مرضی خدا
سر فروشِ دین حق اسلام کے سینہ سپر

سختیٔ راہِ وفا کو صبر سے دیدی شکست
موت سے بھی ٹکریں لیں اللہ اللہ یہ جگر

ذرّے ذرّے کی زباں پر آپ کی قربانیاں
مدح خواں اہل فلک محو ثنا جن و بشر

مرضیٔ رب علا کا سر کے اوپر تاج ہے
آپ کو حاصل کمالِ عشق کی معراج ہے





اِس قدر نیچا ہوا تھا کربلا میں آفتاب
ڈھونڈھتی پھرتی تھی سایہ ہر طرف موجِ سراب

چھِد رہا تھا اس طرح سُورج کی کرنوں سے جگر
ہر بگولہ کھا رہا تھا کربلا میں پیچ و تاب

نہر کا پانی شعاعِ مہر سے کھولا ہوا
دھوپ کی تیزی سے تہ میں مچھلیوں کو اضطراب

موجِ دریا ڈھونڈھتی پھرتی تھی جائے عافیت
مضطرب تھا چادرِ آبِ رواں پر ہر حباب

منہ چھپانا چاہتی تھی تہ میں سورج کی کرن
کوششیں کرنے پہ بھی پہنچی نہ ہرگز زیرِ آب

ذرّے ذرّے کی زباں پر تھی صدائے الاماں
دشت کی تپتی زمیں تھی یا جہنّم کا جواب

تشنگی سے مُنہ کے باہر نکلی پڑتی تھی زباں
موت کا پیغام تھا ہر شے کو گرمی کا شباب

اِس بلا کی دھوپ میں صبرِ شہ والا وہی
چتونوں پر بل نہ ظاہر روئے انور سے عتاب

تھا بیابانِ بلا میں یہ حق و باطل کا فرق
اِس طرف تشنہ دہانی اُس طرف شغلِ شراب

اُٹھ رہا تھا آپ ہی کے واسطے کارِ عظیم
آپ ہی کا رحمتِ حق نے کیا تھا انتخاب

اس طرف کا رُخ نہ کرنا یہ نوائے دشت تھی
شعلۂ آتش سے بھی بڑھ کر ہوائے دشت تھی





دین احمدؐ کے محافظ کشتۂ رنج و محن
زیب سرتاج رضائے حق شہنشاہِ زمن

رہبر دین، سرفر و شانِ وفا کے تاجدار
جس کی ضو عالم میں ہر سو وہ چراغِ انجمن

تین دن کے بھوکے پیاسے بند ہر جانب کی راہ
کربلا کے دشت کی تپتی زمیں پر خیمہ زن

گرمی خورشید حدِ ضبط سے گذری ہوئی
دھوپ ایسی تیز جس سے کالے ہوجائیں ہرن

درپئے آزار دشمن، پھر بھی خالق پر نگاہ
غیظ آنکھوں سے نمایاں ہے نہ ماتھے پر شکن

بچہ بچہ مضطرب ہے پھر بھی پانی کے لئے
کیا غضب ہے سامنے آنکھوں کے دریا موجزن

جادہ ہائے صبر سے پھر بھی قدم ہٹتے نہیں
مضطرب ہے روبروے شاہؑ ہر تشنہ دہن

اس مصیبت میں بھی لب پر آپ کے شُکرِ خدا
بیکس و مظلوم صابر اور آوارہ وطن

امت احمدؐ کے رہبر سرورِ عالی وقار
آپ کا حُسنِ عمل خورشید محشر کی کرن

صبر کا عالم وہی، ہمت وہی، تیور وہی
شکوہ دشمن نہ لب پر شکوہ رنج و محن

فکر یہ ہے گلشن اسلام مرجھانے نہ پائے
سر کٹے کٹ جائے لیکن اس پہ آنچ آنے نہ پائے





آپ کے ایثار کی روشن ہے وہ شمعِ وفا
جس کا دامن چھو نہیں سکتا ہے اب دستِ فنا

امتحاں دے کر وفا کا زندۂ جاوید ہیں
آپ کی کیوں کر ثنا ہو یا شہید کربلا

آپ کا حُسن عمل سارے زمانے سے بلند
آپ کا اخلاق ہے اخلاقِ محبوبِ خدا

سرفروشی کے صلے میں دشت کی جلتی زمیں
پرورش کے واسطے آغوشِ بنتِ مصطفےٰ

آپ کے حُسن کرم کی اللہ اللہ وسعتیں
شمع روشن کربلا میں سارے عالم میں ضیا

آپ کی دارِ فنا میں مل نہیں سکتی نظیر
آپ کا ثانی نہیں ہے کوئی اے شمعِ ہُدا

آپ ہی سے جان تازہ آئی ہے اسلام میں
آپ ہی سے حق و باطل کا ہوا ہے فیصلہ

دین احمدؐ تا قیامت مٹنے والا اب نہیں
آپ کے ایثار نے بخشی ہے اس کو وہ بقا

رہروِ راہ الٰہی آپ سا دیکھا نہیں
ذرّہ ذرّہ دار فانی کا یہ دیتا ہے صدا

آپ کا مرتبہ ہے وہ سمجھنا ہے محال
سبط احمدؐ ابن حیدرؓ بیکسوں کے نا خدا

راہ حق میں پی کے تلخی اجل کے جام کو
خون کی دھاروں سے سینچا گلشنِ اسلام کو





بعد حُجت کربلا میں جب ہوئی شہؑ سے جدالؔ
ہوگئی خونِ شہیداں سے زمیں صحرا کی لال

سب سے پہلے آپ پر قربان ہوا حُرِؓ جری
آج تک مشہور عالم ہے بہادر کی جدال

رفتہ رفتہ پھر ہوئے انصار بھی سارے شہید
پیاس کا شکوہ زباں پر تھا نہ پانی کا خیال

قاسمؑ و عونؑ و محمدؐ اکبرؑ و عباسؑ بھی
جنگ میں دکھلا کے اُٹھے جنگ حیدرؑ کا کمال

حُرملہ کے تیر سے بے شِیر کا بھی خوں ہوا
ہو گیا بے جان دستِ شاہ دیں پر خورد سال

شاہ دیںؑ کے صبر کا افسانہ کہہ سکتا ہے کون؟
گھر کا گھر لٹوا دیا پھر بھی نہیں کوئی ملال

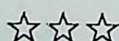
جو گرا رن میں اُسی کی لاش اُٹھائی آپ نے
رہرِو راہِ خدا ہونے نہ پائے پائمال

اس طرح کے داغ اُٹھا کر بھی ادائے شکر تھا
آپ سا صابر نہ ہوگا کوئی اے زہراؑ کے لال

رکھ چکے تھے اشقیا حفظ مراتب طاق پر
مصطفےٰؐ کا پاس باقی تھا نہ حیدرؑ کا خیال

آپ کی مظلومیت پر خون روتا ہے قلم
آپ کی مجبوریوں کا کون کہہ سکتا ہے حال

آپ کا حُسنِ عمل اک درسِ عالمگیر ہے
اہل دل کے واسطے زنجیر در زنجیر ہے





رہرو راہ الٰہی رونقِ بزمِ جہاں
آپ پر کیوں کر نہ صدقے ہوں زمیں و آسماں

کون ایسا ہے کہ جس نے کفر کا توڑا گھمنڈ
آپ ہی نے تو شکستیں دیں امامِ دوجہاںؑ

ساتھ صبر و شکر کے راہ رضائے دوست میں
آپ نے ہنس کر دیئے ہیں امتحاں پر امتحاں

گھر کے لاکھوں اشقیا میں جنگ کے جوہر دکھائے
آپ کی پیکار پر تھا جنگِ حیدرؑ کا گماں

دم نہ مارا مرضیِ اللہ پر شاکر رہے
موت کے ہاتھوں لُٹا دشتِ بلا میں کارواں

صبر کا دامن نہ چھوڑا چلچلاتی دھوپ میں
مُنہ کے اوپر تھا پرِ جبریلِ کا سایہ گراں

بے کسی کا آپ کی کیوں کر کہوں میں ماجرا
باغِ عالم سے گئے تشنہ دہن سوئے جناں

یاد جب آتا ہے مجھ کو کربلا کا واقعہ
دل تڑپنے لگتا ہے ہو جاتے ہیں آنسو رواں

رنگ لائی ہے کچھ ایسی آپ کی مظلومیت
دیکھیئے جس کو نظر آتا ہے وہ محوِ فغاں

آپ کی قربانیوں نے وہ دکھایا ہے اثر
کُل زمانہ کہہ رہا ہے آپ ہی کی داستاں

آپ کا محدود اس دارفنا میں غم نہیں
کون سی جا ہے جہاں مظلوم کا ماتم نہیں





کِس طرح کوئی کہے حال شہِ عالم پناہؐ
آپ کا اعدائے دیں نے خوں بہایا بے گناہ

تھک کے غواصِ تصوّر سربزانو کیوں نہ ہو
آپ کے فیض سخا کی پا نہیں سکتا ہے تھاہ

کہتی ہے دنیا مجھے بھی آپ ہی کا مدح خواں
کیا قیامت ہے کہ پھر بھی ہے مری حالت تباہ

شاہ والاؑ آپ کا ایسا تو میں صابر نہیں
کثرتِ غم سے مرے ہونٹوں پہ آجاتی ہے آہ

داستاں میری مصیبت کی کوئی سنتا نہیں
درد کے مارے ہوئے پر بھی عنایت کی نگاہ

اِک اشارہ آپ کی چشمِ کرم کا چاہیئے
اور کچھ اس کے سِوا حسرت نہیں خالق گواہ

اپنی مظلومی کا صدقہ مصطفٰےؐ کا واسطہ
آیئے بہرِ مدد میں آپ کی تکتا ہوں راہ

آپ کے نزدیک اتنی بات کچھ مشکل نہیں
جگمگا دیں جگمگا دیں میرا بھی بخت سیاہ

آپ کی مدح و ثنا میں جو لکھے ہیں ہفت بند
کیجئے ان کو قبول اے کُشتۂ راہ الٰہ

جو پڑھے دل سے انہیں آساں ہوں اس کی مشکلیں
صاحبِ ایماں بنے وہ چھوڑ دے خُوے گناہ

اے جواںؔ غم کا ستایا کُشتۂ بیداد ہوں
فاطمہؑ کے لال ہی سے مائلِ فریاد ہوں





کربلا میں دفن جب اصغرؑ کی میت ہوگئی
آئینہ بیداد کا چھوٹی سی تُربت ہوگئی

تشنہ لب اصغر کا ایسا امتحانِ سخت تھا
شیر مادر کی اجل سے پہلے رخصت ہوگئی

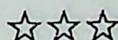
کاٹ کر رستہ پہنچ جا شہ تک اے نہر فرات
تو بھی اعدا کی طرح کیا بے مُروت ہوگئی

وقت پرسش اُٹھ کے آئی جب زمین کربلا
حشر میں رنگین ہر ذرّے کی صورت ہوگئی

روز عاشورا یہ کہتی تھی سیہ پوشیٔ دہر
کربلا میں آج گُل شمعِ امامت ہوگئی

بڑھ گئے ہاتھوں کے ناخن جم گئی بالوں پہ خاک
قید میں آلؑ نبی کو اتنی مدت ہوگئی

غم میں شہؑ کے چار اشکوں کی حقیقت ہی تھی کیا
اے جواںؔ محشر میں بخشش بے مشقت ہوگئی





زمین کی مجھے سوگند آسماں کی قسم
خدا کے گھر کی محمدؐ کے آستاں کی قسم
علیؑ کے زور کی زہراؑ کے گلستاں کی قسم
خود اپنے حسنِ عقیدت و جسم و جاں کی قسم
قدم بڑھا کے ہٹاؤں یہ ہو نہیں سکتا
کسی کو پُشت دکھاؤں یہ ہو نہیں سکتا

نصیب ہو جو مجھے آبِ چشمۂ کوثر
زبان دھو کے کروں مدحِ آلِ پیغمبرؐ
یہ جانتا ہوں کہ یہ راہ سخت تر ہے مگر
یہی دُعا ہے خدا سے مری بہ دیدۂ تر
زباں کو زور، روانی قلم کو مل جائے
دلِ حزیں کا کنول مُسکرا کے کِھل جائے

کھلے زبان تو آئیں زبان پر ایسے سخن
بنیں جو تازگی و دل کشی میں جانِ چمن
لبھائے ساکنِ فردوس کو گلوں کی پھبن
مہک سے جن کی پشیماں ہو بوئے مشکِ ختن

خدا کرے کہ یہ تحفہ قبول ہو جائے
جہان کی مجھے نعمت حصول ہو جائے

سجاؤں آلِ محمدؐ کی مدح کا وہ چمن
ہر ایک پھول دکھائے کچھ اس بلا کی پھبن
ہو دوستوں کو خوشی دشمنوں کو رنج و محن
جلا کے خاک کرے حاسدوں کو دل کی جلن

لپک سے سوزِ حسد کی ہلاک ہو جائیں
ستمگروں کے گریبان چاک ہو جائیں

یہ راہ وہ ہے کہ جس سے ہوں آج تک انجان
میں اور مدحتِ آلِ نبیؐ، خدا کی شان
سوائے اس کے کہ فکر و خیال ہوں ہلکان
نتیجہ اور نہیں کچھ اسی سے ہوں حیران

بھٹک گیا تو مرے کون کام آئے گا
پکڑ کے ہاتھ مجھے راستے پہ لائے گا

یہ جان کر بھی ارادہ ہے مدحِ سرورؐ کا
بدل سکے گا نہ دُنیا میں کوئی عزم مِرا
سرِ نیاز پہ گر پنجتنؑ کا ہے سایا
تو نکتہ چینیِ دشمن سے میں نہیں ڈرتا

بَجا ہے، مجھ کو جو اُن پڑھ خیال کرتا ہے
سُنے جواب اگر یہ سوال کرتا ہے

ہمارے گریہ و ماتم پہ اعتراض نہ کر
غمِ حسینؑ سے اچھا نہیں گریز و حَذر
ہوئی نہ آلِ محمدؐ پہ تیری چشم جو تر
تو یہ سمجھ لے کہ تقدیر میں ہے نارِ سقر

جو ہوگی حشر میں پرسش گنہگاروں کی
خطا معاف نہ ہوگی ستم شعاروں کی

عزائے شاہؑ سے ہم باز آ نہیں سکتے
جگر کے داغ کسی کو دکھا نہیں سکتے
رواں ہیں آنکھ سے آنسو چُھپا نہیں سکتے
یہ آگ وہ ہے کہ جس کو بُجھا نہیں سکتے

ہم آہِ سَرد سے لَو دل کی تیز کرتے ہیں
عزائے شہؑ میں ہنسی سے گریز کرتے ہیں

یہ لکھنے بیٹھے ہیں ہم ماجرائے دشتِ بلا
نظر میں پھر رہے ہیں واقعاتِ شاہِ ہُدا ؑ
ہمیں کو ایک نہیں غم ہے اے شقی بخدا
حسین ؑ کے لئے روتے ہیں اب بھی ارض وسما
بغور دیکھ وہی اب بھی گرم جوشی ہے
تمام دَھر میں ہر سُو سیاہ پوشی ہے

یہ کس کے غم میں زبانِ قلم پہ نالے ہیں
فضا اُداس ہے بے چین سُننے والے ہیں
دلِ تپاں کو مگر ہاتھ سے سنبھالے ہیں
حروف ہیں کہ ورق پر ہزاروں چھالے ہیں
نگاہ جس گھڑی تحریرِ غم پہ جاتی ہے
تو سوزِ عشق کی لفظوں سے آنچ آتی ہے

دماغ گرم ہے سانسیں بھی بن چکی ہیں دھواں
بیان حال ہو کیونکر لرز رہی ہے زباں
دل و جگر ہیں تپ غم سے مثلِ برقِ تپاں
اس اضطراب میں ممکن نہیں ہے ضبطِ فغاں
بھڑکتے شعلۂ غم کو دبایئے کیوں کر
سمجھ میں آتا نہیں ہے بجھایئے کیوں کر

تپش سے مہر کی تپتا ہے اِس طرح میدان
ہے ریگِ دَشت پہ سیلاب آتشیں کا گماں
مجال کیا ہے جو دو گام چل سکے انسان
یہ حال جب ہے تو کیوں کر بجا رہیں اَوسَان
فلک میں آگ لگی ہے زمین جَلتی ہے
خدا گواہ بیاباں سے لَو نکلتی ہے

لپک ہے آتشِ سیال کی کہ مَوجِ سراب
جلائے دیتی ہے گرمئی مہر عالم تاب
شعاعیں نارِ جہنم کا دے رہی ہیں جواب
دھوئیں کی شکل بدلنے لگی ہے چادرِ آب
حباب چھاؤں کی دھن میں ہیں سَر اُٹھائے ہوئے
ہیں مچھلیاں بھی تہہ آب مُنہ چھپائے ہوئے

میانِ دشت ہے اک قافلے کا پھر بھی قیام
چہار سمت سے گھیرے ہے جس کو لشکرِ شام
اِدھر ہیں چند نفس اور وہ بھی تشنہ کام
اُدھر ہے بادہ کشوں میں طوافِ شیشہ و جام
ہیں جمع گھاٹ پہ دریا کے پاسباں لاکھوں
کھڑے ہیں تیغ بکف ہر طرف جواں لاکھوں

اُٹھی نگاہ جو راوی کی سوئے نہر رَواں
ہوا یہ دیکھ کے آئینے کی طرح حیراں
فرس اُڑائے ہوئے جا رہا ہے ایک جواں
کہ جس کے رعب سے خود موت مانگتی ہے اماں

بجا حواس ہیں قبضہ دماغ و ہوش پہ ہے
علم ہے ہاتھ میں مشکیزہ ایک دوش پہ ہے

مثال شیر نظر جس طرف اُٹھاتا ہے
دلِ بشر تو کجا دشت تھر تھراتا ہے
ہوا کو رَوند کے آگے قدم بڑھاتا ہے
اکیلا جانبِ نہرِ فرات جاتا ہے

سوار کی جو بگولے سے آنکھ لڑتی ہے
تو سَر پہ گرد کے گھوڑے کی ٹاپ پڑتی ہے

سوار وہ کہ زمانے میں اپنا آپ نظیر
ضیائے مہر پشیماں وہ حُسنِ عالمگیر
جلال جس سے ہویدا وہ روئے پُر تنویر
جلو میں فتح و ظفر دل میں الفتِ شبیرؑ

یہ وہ دلیر ہے جس سے اجل بھی ڈرتی ہے
نگاہِ قہر سے بچتی ہوئی گذرتی ہے

فراخ سینہ تو ہے بازوؤں میں زور علیؑ
شکن جبیں کی ہے تلوار، تو نظر برچھی
بیان کیا ہو صفت بے پناہ چتون کی
دہن میں دانت ہیں یا موتیوں کی ایک لڑی
ہے سہل مجھ کو گلِ صد بہار کی تعریف
مگر محال ہے اس شہہ سوار کی تعریف

فلک پر مہر جو اُلٹے ہوئے ہے رخ سے نقاب
تپاں ہے سینے میں دل مثل ماہئی بے آب
پرند گر کے سرِ خاک ہو رہے ہیں کباب
پناہ موج کے دامن میں ڈھونڈھتا ہے حباب
وہ تیز دھوپ اثر دشت میں دکھاتی ہے
زمیں پہ بیٹھنے سے گردجی چُراتی ہے

سرِ جبیں ہے عرق، خشک ہو رہا ہے دہن
زباں پہ آتے ہوئے دل سے کانپتا ہے سخن
پیامِ موت ہے بڑھتی ہوئی جگر کی جلن
کہیں سکون نہیں تپ رہا ہے بَن کا بَن
شجر کی چھاؤں نگاہیں تلاش کرتی ہیں
خود اپنی سانسیں جگر پاش پاش کرتی ہیں

کچھ ایسی گرم بیاباں میں چل رہی ہے ہَوا
جلائے دیتا ہے چہرے کو جس کا ہر جھونکا
نہاں خود اپنے جسد کا ہے زیرِ پا سَایا
چمک کے آنکھ دکھاتی ہے ریگِ دشتِ بلا
یہ ذرّے ہیں کہ شرارے ہوا میں اُڑتے ہوئے
غضب ہے دن کو ستارے ہوا میں اُڑتے ہوئے

پسینہ ماتھے پہ، کھولا ہوا رگوں میں لہو
سیاہ دھوپ کی تیزی سے ہے ہر اِک آہو
بجا حواس بشر ہیں نہ دل پہ ہے قابو
جگر کے جلنے کی آنے لگی ہے سانس سے بُو
جو روح موت کو سَرگرمِ کار پاتی ہے
قفس کے توڑنے کو آستیں چڑھاتی ہے

نظر سوار پہ جمتے ہی یہ نظر آیا
کہ یہ تو حضرتِ عباسؑ ہیں فلک پایا
برائے آب سوئے نہر عزم ہے لایا
ہے آپ کے لئے صحرا کی دھوپ بھی سایا
اگر یہ چاہیں تو کل کائنات کھینچ آئے
کگارے توڑ کے نہر فرات کھینچ آئے

کہاں ہے ساقیِ گُلفام بھر کے دے ساغر
ابھی دکھانا ہے گرمیِ فِکر کا جوہر
برائے ظلم و تعدی ہے جمع لشکرِ شَر
چلا ہے نہر کی جانب علیؑ کا نورِ نظر
نِکل کے بزم سے آ رزَم گاہ میں ساقی
کوئی سماتا نہیں اب نِگاہ میں ساقی

پلا وہ بادۂ حُب امامِ کون و مکان
مثالِ موجہ دریا رواں ہو طبعِ رواں
بڑھادے اور بھی وقتِ بیاں جو زورِ بیاں
نظر میں پھرنے لگے کربلا کا دشتِ تپاں
عطا ہو جام کہ زورِ سخن دکھانا ہے
اک ایک لفظ سے اک اک چمن کِھلانا ہے

جو مانگتا ہوں وہ بادہ دے التجا یہ ہے
کسی کا دخل نہیں تیرا میکدہ یہ ہے
اُٹھوں تو چھک کے اُٹھوں آج مدعا یہ ہے
جیئے ہزاروں برس تو مری دعا یہ ہے
رہا جو تشنہ تو ساقی کبھی نہ جاؤں گا
سمجھ لے خوب کہ دھونی یہیں رماؤں گا

عطا ہو اتنی کہ کافی سُرور ہوجائے
دماغ نشۂ بادہ سے چور ہوجائے
تساہلی کا اثر دل سے دُور ہوجائے
خود اپنے رنگِ سخن پر غرور ہوجائے
لکھوں وہ رَزم کہ رُستم بھی تھرتھراجائے
جو دیکھے جنگ پسینہ جبیں پہ آجائے

اُٹھا کے دستِ سخا کر دے اب نہال مجھے
ملے حسینؑ کے صدقے میں یہ کمال مجھے
ہو اہلِ فن کے مُقابل نہ اِنفعال مجھے
ستا رہا ہے یہی ہر نفس خیال مجھے
بیان مَد نظر منچلے سوار کا ہے
ارادہ آج مِرا دشتِ کارزار کا ہے

یہ وہ جواں ہے جو ممتاز ہے خدائی میں
بلا کا زور ہے اس شیر کی کلائی میں
علیؑ کی شان دکھائے گا یہ لڑائی میں
رہے گا اس کا عمل حشر تک ترائی میں
ابھی سے فوج عدو پر نظر جماتا ہے
عجیب شان سے دَریا کی سمت جاتا ہے

فرس کی باگ کو کھینچے ہوئے کڑے تیور
جمی ہوئی ہے یہیں سے نگاہ لشکر پر
علیؑ کے نور نظر کو ہراس ہو کیوں کر
کہ جذب بازوئے عباسؑ میں ہے زورِ پدر
نظر سے آگ برستی ہے لو نکلتی ہے
ہوا بھی ساتھ ہے لیکن ادب سے چلتی ہے

فرس کی تیز روی سے خجل ہے بَرقِ تپاں
قدم کا راہ میں بنتا نہیں کہیں پہ نِشاں
ہَوا بھی جس کے طراروں پہ ہوتی ہے قرباں
ہے دشتِ گرم میں اس طرح سوئے نہر رَواں
نظر بھی دوڑ میں اس سے شکست کھاتی ہے
غرضکہ سر بہ گریباں پلٹ کے آتی ہے

یہ وہ فرس ہے جو رانوں سے نِکلا جاتا ہے
بلا کی تیز روی دشت میں دکھاتا ہے
ہوائے تند کو بھی راستہ بتاتا ہے
سنبھل سنبھل کے کہیں پر قدم اُٹھاتا ہے
دکھائے چال تو کبک دری کو مات کرے
پلک جھپکتے ہی طے دوریٔ فرات کرے

سراغ وہم لگائے تو وہم کھو جائے
کرے تلاش تصور تو ٹھوکریں کھائے
مجال کیا ہے جو پیکِ نظر پتہ پائے
ہوا جو ساتھ چلے راہ سے پلٹ آئے
فرس کی تیز روی ذہن میں بھی آ نہ سکے
چمکتی برق بھی آگے قدم بڑھا نہ سکے

بتا رہی ہے یہ بڑھتے ہوئے سوار کی شان
سفر سے پہلے کیا چاہتا ہے طے میدان
مگر یہ دیکھ کے ہر سُو ہے رزم کا سامان
بغیر جنگ ملے راہ یہ نہیں آسان
چلے گی تیغ سرِ نہر اس کا دھیان نہیں
نہ سّدِ راہ ستمگر ہوں یہ گمان نہیں

اِدھر لعینوں میں یہ دیکھ کر ہے حشر بپا
یہ کون آتا ہے دریا کی سمت بڑھتا ہوا
اٹھا اٹھا کے نظر تکتے ہیں سوئے صحرا
اکیلے پر ہے سپاہِ حسینؑ کا دُھوکا
پسینہ موت کا ماتھے پہ آیا جاتا ہے
بغیر جنگ کے دِل تھرتھرایا جاتا ہے

ہوا کے زور سے جب ہر طرف غبار ہوا
تو مثلِ مہرِ درخشاں عیاں سوار ہوا
ہر ایک اپنے تصوّر پہ شرمسار ہوا
ہجومِ فوج پئے جنگ ہوشیار ہوا

ہزار چاہا پلٹ کر حواس آ نہ سکے
وہ خوف دل میں سمایا کہ مسکرا نہ سکے

چھڑا یہ ذکر کوئی ہے بڑا دلیر جواں
نہ تشنگی کا اثر ہے نہ سوزِ غم سے تپاں
ڈپٹ سے جس کی ہوا بھی ہے دشت میں لرزاں
سجے ہوئے تنِ اطہر پہ جنگ کے ساماں

ہراس دل میں نہ کوئی لچمی اِرادوں میں
ہے یہ بھی کوئی اولوالعزم شاہزادوں میں

پکار دو کہ سبھی ہوشیار ہو جائیں
یہ وقت جنگ کا ہے جنگ سے نہ گھبرائیں
ہنر جو یاد ہوں تلوار کے وہ دکھلائیں
میانِ دشتِ وغا اب قدم نہ تھرّائیں

پلک جھپکتے ہی نقشہ بدلنے والا ہے
لہو کا ، دشت میں چشمہ ابلنے والا ہے

اِدھر یہ شور لعینوں میں اور اُدھر عباسؑ
فرس اڑاتے ہوئے آرہے تھے فوج کے پاس
اجل کا خوف نہ کوئی جماؤ سے تھا ہراس
اُمنگ اور بڑھاتی تھی تین دن کی پیاس
رُکے جو فوج عدو سے یہ وہ جوان نہیں
ہجوم دیکھ کے گھبرائے یہ گمان نہیں

قریب فوج پہنچ کر رُکے علمبردار
برائے جنگ سنبھلنے لگے سبھی کفّار
کمان دوش سے لے کر ہوا ہر اک ہشیار
پلک جھپکتے ہی صف بستہ ہوگئے اسوار
مگر یہ سوچ تھا پھر بھی مآل کیا ہوگا
چھڑے گی جنگ تو اس وقت حال کیا ہوگا

لڑا کے آنکھ کیا اس طرح جری نے کلام
سبب ہے کیا کہ جو رو کے ہو گھاٹ لشکرِ شام
تمہیں خبر نہیں پیاسے ہیں دو جہاں کے امام
بپا ہے خیمۂ شاہِ ہُدا میں اک کہرام
برائے آب سکینہؑ کی مَشک لایا ہوں
اِسی ارادے سے دریا کی سمت آیا ہوں

ہے بَند آلِ محمدؐ پہ نہر کا پانی
بشر کے بھیس میں کرتے ہو کارِ شیطانی
دَرِندگی سے مُشابہ ہے خوئے انسانی
جفائیں ڈھا کے بھی تم کو نہیں پشیمانی

جو کافروں سے نہ ہو تم وہ کام کرتے ہو
پھر اس پہ آنکھ ملا کر کلام کرتے ہو

یہ بات سُن کے دیا ایک لشکری نے جواب
امام دیںؑ ہیں پریشاں اگر برائے آب
کریں یزید کی بیعت یہ جا کے کہیئے شتاب
وگرنہ پیاس سے بیتاب ہیں رہیں بیتاب

برائے شاہِ ہُدا ہے ممات کا پانی
نصیب ہو نہیں سکتا فرات کا پانی

یہ سُن کے حضرت عباسؑ کو نہ تاب رہی
مثالِ شیر زیاں اس طرح نظر بدلی
فلک لرزنے لگا تو زمین کانپ گئی
یہ کہہ کے باگ سنبھالی جری نے گھوڑے کی

ہجومِ فوج بچالے تجھے مجال نہیں
نہ گھس کے ماروں تو کہنا علیؑ کا لال نہیں

تمام فوج سے کہہ دے سمٹ کے آجائے
سپہ گری کے ہنر رن میں آج دکھلائے
مجال کیا ہے جو کوئی کہیں اماں پائے
جسے عزیز نہ ہو جان سامنے آئے
حصار فوج کو دم بھر میں توڑ ڈالوں گا
میں آج موت کا پنجہ مروڑ ڈالوں گا

صدا یہ دے کے بڑھے آپ کھینچ کر تلوار
چلا بَدل کے کنوتی سوئے عدو رَہوار
لعیں کو ایک ہی ضربت میں کردیا فی النار
پڑی جو تیغ تو دوٹکڑے ہو گیا رہوار
سوار اور فرس کو کوئی بچا نہ سکا
ہجومِ فوج بھی کافر کے کام آ نہ سکا

لعیں کو مار کے حضرت سوئے فرآت چلے
یہ کس میں تاب وتواں تھی جو شیر کو رُوکے
علیؑ کے لختِ جگر میں علیؑ کے جوہر تھے
شکست فوج نے کھائی پَرے بھی ٹوٹ گئے
بہا وہ خون فنا ہستیٔ غبار ہوئی
بدل کے بھیس زمیں ایک لالہ زار ہوئی

پکارتے تھے کہ جاتا ہے شیر سُوئے فرات
پلٹ کے گھیرو اسے مَان لو ہماری بات
پہنچ گیا سرِ دریا تو پھر نہیں ہے نجات
مِلا جو آب تو یہ پھُونک دے گا کشتِ حیات

ابھی ہے تشنہ دہنِ ضعف و ناتوانی ہے
فُرات دُور ہے اوجھل نظر سے پانی ہے

سوار اور پیادے پلٹ کے آنے لگے
نئے سرے سے پرے فوج کے جمانے لگے
اکیلے شیر پہ مِل جُل کے ظلم ڈھانے لگے
کماں میں جوڑ کے تیرِ سِتم لگانے لگے

بپھر کے شیر بھی قصہ تمام کرنے لگا
سمایا فوج میں اور قتلِ عام کرنے لگا

جو آیا سامنے بڑھ کر وہ بچ کے جا نہ سکا
جَری کی تیغ نے ستھراؤ کر دیا ایسا
کسی کے لشکرِ اعدا میں تھے نہ ہوش بجا
لہو سے ہوگئی رنگیں زمین دشتِ بلا

چلی وہ تیغِ علمدار بَن لرزنے لگا
بغیر رُوح بھی ہر ایک تن لرزنے لگا

فرس بھی شانِ وفا اس طرح دکھاتا تھا
رخِ سوار سمجھ کر قدم بڑھاتا تھا
صفوں کو رَوند کے سُوئے فرات جاتا تھا
ہوا کی طرح نظر کو نظر نہ آتا تھا
مثالِ برق ستم کوند کر ترائی میں
شریکِ حال تھا عباسؑ کی لڑائی میں

میان رزم فرس بھی کمال کرتا تھا
صفوں میں گھس کے صفیں پائمال کرتا تھا
بیاں ہو کیا جو لعینوں کا حال کرتا تھا
لہو پلا کے اجل کو نہال کرتا تھا
چھلا وہ بنکے صف فوج میں سماتا تھا
مثالِ بَرق نِگاہوں میں کوند جاتا تھا

اُلٹ کے حضرتِ عباسؑ نے پَرے کے پَرے
کچھ ایسے حوصلے اعدائے دیں کے پَست کئے
رہی نہ تابِ وغا زرَد ہوگئے چہرے
لعین جنگ کے ہتھیار چھوڑ کر بھاگے
ٹھہر کے جنگ کریں اب وہ دل میں جوش نہ تھا
خبر کسی کی کجا اپنا خود ہی ہوش نہ تھا

فرار فوج ہوئی تو صدا یہ شیر نے دی
پلٹ کے جنگ کرو بھاگتے نہیں ہیں جری
بھروں گا مشکِ سکینہؑ قریب ہے ندّی
اکیلا میں ہوں تمہیں فوج کی نہیں ہے کمی
بہار جنگ کی اس دشت شعلہ بار میں ہے
وہ دیکھو موت کھڑی سایۂ غبار میں ہے

جو روکنا ہو تو رُوکو وگر نہ جاتا ہوں
فرات سے ابھی مشکیزہ بھر کے لاتا ہوں
بلاؤ بھاگے ہوؤں کو پلٹ کے آتا ہوں
میں اب تو نہر کی جانب قدم بڑھاتا ہوں
لڑو تو بند نہیں تم سے میں لڑائی میں
چلے گی تیغ مری ورنہ اب ترائی میں

یہ کہہ کے ایڑ جو دی اَسپ بن گیا بجلی
میانِ دشت دکھانے لگا وہ گرم روی
کہ کانپ کانپ گئی چال سے فضا بَن کی
بَلائیں لینے کی اُٹھی فرآت بہتی ہوئی
نظر کو نہر کی موجیں سَماں دکھانے لگیں
حیات بخش ندی سے ہوائیں آنے لگیں

پہنچ کے نہر پہ عباسؑ نے فرس رُوکا
بھگا کے فوج کو دریا پہ کرلیا قبضہ
رہا نہ کوئی بھی جب رَاہ وکنے والا
میانِ آب جَری نے بڑھا دیا گھوڑا
تڑپ کے موجیں بھی دَریا کی جان کھونے لگیں
کجا سوار فرس سے لپٹ کے رونے لگیں

اُٹھا کے رہ گئے چلّو میں آبِ نہر رَواں
بلکتے بچوں کا نظروں میں پھر گیا جو سَماں
تو اور روح ہوئی قالبِ تپّاں میں تپاں
بجھائیں پیاس خود اپنی تھا اس کا ہوش کہاں
تری جو پانی کی اپنا اثر دکھانے لگی
تو پیاس تشنہ دہانوں کی یاد آنے لگی

جو آبِ نہر تھا چلو میں وہ بھی پھینک دیا
فرس سے حضرتِ عباسؑ نے یہ لُطف کہا
کہ اب تو نہر میں داخل ہے اپنی پیاس بجھا
پلٹ کے چلنا ہے پھر سامنا ہے فوجوں کا
یہ بات سچ ہے پئے خاص و عام ہے پانی
بغیر بچوں کے مجھ کو حرام ہے پانی

یہ بات سُنتے ہی چونکا کچھ اس طرح رہوار
نگاہ پھیر کے پانی سے ہوگیا بیزار
کیا اشارہ نہیں یہ قبول ہے زنہار
کہ میری پیاس بجھے تشنہ لب رہیں سرکار
شریک حالتِ آقائے نامدار ہوں میں
نہ تشنگی کا ہے ماتم نہ بے قرار ہوں میں

یہ رخ فرس کا جو دیکھا تو ہنس کے فرمایا
دکھا دی تو نے بھی اے بے زبان شانِ وفا
ضرور اس کا صلہ حشر میں خدا دے گا
رہے گا تا بہ قیامت جہاں میں چرچا
فرس بھی راہِ خدا میں نثار ہو کے رہا
فنا کے بعد جناں کی بہار ہو کے رہا

یہ سچ ہے تو بھی ستایا ہے تشنہ کامی کا
مگر یہ وقت ہے اب تیری تیزگامی کا
سماں دکھادے ترائی میں خوش خرامی کا
خدا کے فضل سے موقع ہے نیک نامی کا
سمجھ لے خوب مرے ساتھ جنگ کرنا ہے
صفوں کو روند کے دشتِ بلا میں مرنا ہے

یہ کہہ کے مشکِ سکینہؑ میں بھر لیا پانی
خجل تھی نہر کی جوشِ وفا سے طغیانی
نہ کام آئے حبابوں کو تھی پشیمانی
کوئی بھی کر نہ سکا نوجواں کی مہمانی

جو ظرف مشک تھا موجیں اُسے بڑھا نہ سکیں
سما رہی تھیں دہن میں مگر سما نہ سکیں

جو مشک بھر کے پھرے نہر سے علمبردار
پکارا سامنے آکر یہ ایک ناہنجار
برائے جنگ جدل پھر سنبھالیئے ہتھیار
یہ آب خیمے میں جانے نہ پائے گا زنہار

کھڑا ہوں سامنے گھوڑا بڑھا نہیں سکتے
سلامت آپ ترائی سے جا نہیں سکتے

یہ بات سنتے ہی عباسؑ نے بپھر کے کہا
تری بساط ہے کیا اور تیرا لشکر کیا
جو سدِّ راہ ہو دنیا میں کون ہے ایسا
بُلا لے فوج کو تو بھی سنبھل برائے وغا

ہمارا صبر و سکون اپنی کج ادائی دیکھ
چلے کی تیغ ابھی ہاتھ کی صفائی دیکھ

ہم آئے تھے سوئے دریا تو جب کہاں تھا تو
سرِ زمیں تھا کہ زیرِ زمیں نہاں تھا تو
سکون تھا تجھے اس وقت یا تپاں تھا تو
زبان منہ میں نہ تھی تیرے بے زباں تھا تو

بھگا کے فوج کو نہرِ فرات پر پہنچے
اکیلے چشمۂ آبِ حیات پر پہنچے

یہ دیکھ مشک ہے پانی بھی بھر کے لائے ہیں
پہنچ کے نہر پہ بھی تشنہ لب ہی آئے ہیں
ملال اس کا نہیں پیاس کے ستائے ہیں
علیؑ کے لال ہیں ہم اور علیؑ کے جائے ہیں

خیامِ شاہ میں مشکیزہ لے کے جانا ہے
تمہارے ظلم و ستم سے اسے بچانا ہے

رکی ہے موج کہیں خاروخس سے اے نادان
جو دل میں رکھتا ہو اپنے نکال لے ارمان
ذرا میں یہ نہ کہے تو بجا نہ تھے اوسان
خدا نے آنکھ اگر دی ہے تو مجھے پہچان

ازل سے لوگ فدائے حسینؑ کہتے ہیں
مجھے غلام شہِ مشرقین کہتے ہیں

یہ کس میں دم ہے جو مشکیزے کی طرف دیکھے
ابھی چکیں گے حیات ممات کے جھگڑے
سر وہی کھینچ کہ دیکھوں تو حوصلے تیرے
پناہ اب نہیں تجھ کو اجل کے سائے سے
گِلہ رہے نہ تجھے جنگ آزمائی کا
نکال تیغ کہ ہنگام ہے لڑائی کا

یہ بات کہہ کے بڑھے جس گھڑی علمبردار
کماں میں جوڑ کے ناوک پکارا ظلم شعار
قدم بڑھانے نہ دونگا میں آپ کو زنہار
چہار سمت سے تیروں کی ہوگی وہ بوچھار
رُکیں گے بہتے ہوئے زخموں کے نہ اشک کبھی
بچا سکو گے نہ تیر ستم سے مشک کبھی

ادھر سے تیر چھٹا تو ہوا ادھر سے قلم
اجل بھی محو تماشہ ہوئی بدیدۂ نم
تلا فساد پہ وہ بانی جفا و ستم
برائے جنگ جو تلوار کی لعیں نے علم
شکست اپنی جگہ اس کی مسکرانے لگی
حیات موت کے پردہ میں منہ چھپانے لگی

ہوئے لعیں کے مقابل جو ہیں علمبردار
وہ ڈانڈ نیزے کی ماری کہ چھٹ پڑی تلوار
زمانہ ہوگیا آنکھوں میں اِس کی تیرہ و تار
جری سے پھر بھی ستمگر تھا برسرِ پیکار
غرض کہ بارش تیر و تفنگ ہونے لگی
فضا بدل گئی دونوں میں جنگ ہونے لگی

جو وار اس نے کیئے ان کو ٹال کر عباسؑ
نظر نظر میں ستمگر کی ڈال کر عباسؑ
لعیں کے ہاتھ سے نیزہ نکال کر عباسؑ
پکارے تیغ دو پیکر سنبھال کر عباسؑ
سنبھل کہ تیغ اجل سے تجھے پناہ نہیں
قضا نے گھیر لیا بھاگنے کی راہ نہیں

یہ تیغ وہ ہے جو تارِ نظر کو مات کرے
جلا کے خاک ابھی جامۂ حیات کرے
چلے عدو پہ تو آنکھوں میں دن کی رات کرے
جواس سے بات کرے کوئی اس سے بات کرے
چلے زمیں پہ تو طبقہ زمیں کا کٹ جائے
عجب نہیں پر جبریل بھی سمٹ جائے

خرد سمجھ نہ سکے اس کی جلد بازی کو
یہ تیغ سرخرو کرتی ہے رن میں غازی کو
بچا بچا کے گذرتی ہے ہر نمازی کو
پرکھتی خوب ہے دشمن کی کارسازی کو

چلے یہ اور بچیں اہل کیں مجال نہیں
بغیر روکے ہوئے رکنے کا سوال نہیں

لعیں کو زد پہ جو پایا تو سر پہ وار کیا
چمک نے تیغ کی کچھ ایسا بیقرار کیا
ہزار اس کو مقدر نے ہوشیار کیا
مگر اجل نے اسے اس طرح شکار کیا

لعیں کے ہاتھ کٹے سر فرس کا دور گرا
زمیں پہ گھوڑے سے وہ بانئ غرور گرا

جری کو تیغ بکف سر پہ جب کھڑے دیکھا
تو اس لعیں نے دلاور سے یوں بہ عجز کہا
سدھاریں آپ سوئے خیمہ امام ھدا
بھریں نہ ہاتھ مرے خون میں اب اے مولا

چلا نہ زور تو سفاک گڑ گڑانے لگا
قدم پہ شیر کے دہشت سے سر جھکانے لگا

جب اس کو چھوڑ کے آگے نکل گئے عباسؑ
مٹا ہراس بجا پھر ہوئے لعیں کے حواس
صدا یہ فوج کو دی زندگی سے ہو کے اُداس
چلا ہے شیر سوئے خیمہ مشک آب ہے پاس
اگر یہ خیمۂ سرور میں مشک جائے گی
تو یہ سمجھ لو کہ پھر سب کی موت آئے گی

جو ہو سکے تو بڑھو گھیر لو نہ جانے دو
بچائے مشک کو تیروں سے تو بچانے دو
بہائے خون کا دریا بھی تو بہانے دو
مگر جری کو نہ آگے قدم بڑھانے دو
کس کا تیرِ ستم مشک چھید ڈالے گا
اکیلا لاکھوں سے کیا حوصلہ نکالے گا

یہ سن کے ابنِ علیؑ کو جلال آ ہی آ گیا
عنانِ صبر چھٹی اشتعال آ ہی گیا
لعیں کے طرزِ عمل کا خیال آ ہی گیا
رگوں میں کھول اُٹھا خون ملال آ ہی گیا
جری کو غیض جو آیا فضا گر زنے لگی
اُٹھی نگاہِ غضب تو ہوا لرزنے لگی

بڑھے یہ کہہ کے نہ مارا تجھے تو کچھ نہ کیا
رعایتوں کا ہماری دیا ہے خوب صلا
بلالے فوج کو اس کی نہیں ہمیں پروا
کسی سے ہم نہیں ڈرتے مدد پہ جب ہے خدا
فرس کی باگ ادھر پھیر دی سزا کے لئے
ادھر سے فوجِ یزیدی بڑھی وغا کے لئے

پہنچ کے قرب لعیں یوں کیا اسے ہشیار
کہ تیرے خون کی پیاسی ہے، اب مِری تلوار
سنبھل جا موت سے بچنے کا تو نہیں زنہار
جسد سے تیرے تری روح ہوچکی بیذار
یہ کہہ کے تیغ شرر بار کا جو وار کیا
سپرد موت کے خود موت کا شکار کیا

لعیں کو مار کے پلٹے تو یہ نظر آیا
چہار سمت ہے جمگھٹ عدو کی فوجوں کا
کدھر فرس کو بڑھائیں رکا ہے ہر رستا
یہ بات سوچ کے رخ کا بدل گیا نقشا
بغیر جنگ کئے چارہ کار کوئی نہیں
شکست و فتح کا اب اعتبار کوئی نہیں

برائے جنگ علمدار ہوگئے تیار
اجل بھی کھیلنے آئی قریب نہر شکار
گرے زمین پہ گھوڑوں کے ساتھ مر کے سوار
کہیں تھے خود تو کہیں خود تھا کہیں تلوار

ہوئی وہ جنگ کہ جو یاد گار ہے ابتک
نظر نظر میں اکیلا سوار ہے ابتک

چلا نہ زور جب اس طرح ان لعینوں کا
اکیلے شیر کو لاکھوں نے مل کے گھیر لیا
چہار سمت سے حملہ پہ حملہ ہونے لگا
لہو کا بہنے لگا دشت جور میں دریا

ہوئی وہ بھیڑ کہ عباسؑ رُخ بدل نہ سکے
گھرے لعینوں میں ایسے کہ پھر نکل نہ سکے

قدم بڑھا نہ سکا جب فرس بآسانی
تو مارے غیظ کے ماتھے پر آگیا پانی
چہار سمت سے گھیرے تھی فوج شیطانی
کدھر کے وار بچائیں یہ تھی پریشانی

شکن جبیں پہ پڑی رنگ رخ کا لال ہوا
اجل بھی کانپ گئی وہ عیاں جلال ہوا

ہوئی وہ رزم کہ گلنار ہوگیا صحرا
کچھ ایسا خون بہا جو فرات تک پہنچا
لہو کے ملتے ہی پانی ندی کا سرخ ہوا
عمل تھا موت کا ہر سو میان دشت بلا
پٹی پڑی تھی زمین قتل ہونے والوں سے
بچا سکے تھے نہ خود کو لعین ڈھالوں سے

ہزاروں ایک کے مارے ہوئے تڑپتے تھے
بچے ہوؤں میں فسانے تھے ابنِ حیدرؑ کے
جری کی تیغ زنی کے تھے ہر طرف چرچے
یہ سوچتے تھے کہ کیوں کر نجات ہو اس سے
کھڑی ہے فوج مگر کچھ بنا نہیں سکتی
جری کی تیغ کے سائے میں جا نہیں سکتی

اچانک ایک ستمگر نے رن میں وقت وغا
جری کی پشت سے تیغ ستم کا وار کیا
تھی مشک جس میں وہی شانہ کٹ کے گرنے لگا
بچا تھا جو وہ پئے مشک جابر ہاتھ بڑھا
اسے سنبھال کے مصروف کار زار ہوئے
چہار سمت سے پھر دشمنوں کے وار ہوئے

پھر اک لعین نے پیچھے سے آ کے وار کیا
کہ جس کی تیغ سے یہ بھی قلم ہوا شانا
نہ مشک گر نے دی تسمہ دہن میں داب لیا
مٹا سکا نہ کوئی بھی نصیب کا لکھا
لعیں کے مکّر سے خود کو جری بچا نہ سکا
نکل کے فوج سے خیمہ کی سمت جا نہ سکا
جو تیر آتے تھے اب ان کو روکتے کیوں کر
جھکائے خود کو تھے مشکیزہ سکینہؑ پر
تنِ حزیں سے لیا لاکھ رن میں کار سپر
شجر مراد کا لیکن ہوا نہ بار آور
اک آیا تیر جو پیوست مشک ہو کے رہا
نصیب لایا ہوا آب نہر کھو کے رہا
اچانک آ کے پڑا گرز فرقِ اقدس پر
گرے زمین پہ گھوڑے سے آپ تیورا کر
امامِ دیں کو پکارے کہ جلد لیجئے خبر
غلام آپ کا تیار ہے برائے سفر
چھبا ہے آنکھ میں پیکان نکا لئے آ کر
میں اب سنبھل نہیں سکتا سنبھالئے آ کر

امام دیں نے صدا جب سنی برادر کی
فرس بڑھا کے چلے ضبط کی نہ تاب رہی
شہہ ہدا کے ہوئے ساتھ ساتھ اکبرؑ بھی
تھی ایسی اپنے فدائی سے ملنے کی جلدی
جو سدّ راہ ہوا اس کی جان بچ نہ سکی
کسی لعین کی سجی آن بان بچ نہ سکی

قریب حضرت عباسؑ جب گئے سرورؑ
یہ دیکھ کر کہ برادر کا پاش پاش ہے سر
چبھا ہے آنکھ میں پیکاں لہو سے آنکھ ہے تر
تپاں ہے جلتی ہوئی ریت پر تنِ اطہر
قلم ہے شانۂ صفدر لہو نکلتا ہے
مگر حیات کا ابتک چراغ جلتا ہے

پکارے شاہ ہُدا آگیا میں اے بھائی
یہ کیا نصیب نے حالت تمہاری دکھلائی
زبان سے کچھ تو کہو کیا ابھی سے نیند آئی
ہمارے ساتھ تمہیں بھی یہاں اجل لائی
عجیب رنگ سے شانِ وفا دکھاتے ہو
کمر کو توڑ کے ہوئے سوئے خلد جاتے ہو

امام دیں جو برادر کے غم میں گریاں تھے
چچا کے حال پر اکبرؑ بھی اشک ریزاں تھے
خیام شاہؑ میں اہل حرم پریشان تھے
وفورِ رنج سے ہوش خرد گریزاں تھے
پچھاڑیں کھاتے تھے اکبرؑ بھی جان کھوتے تھے
لپٹ کے کشتۂ جور وستم سے روتے تھے

سنی جو حضرتِ عباسؑ نے صدائے شاہ
چبھا تھا آنکھ میں پیکاں تو اُٹھ سکی نہ نگاہ
زباں پہ فرطِ اذیت سے ایک آگئی آہ
کہا یہ اکبرؑ عالی سے پھر بحال تباہ
نکالو آنکھ سے پیکاں تو دید شاہ کروں
دم اخیر بہم جلد زاد راہ کروں

یہ سن کے تیر جو اکبر نے آنکھ سے کھینچا
لہو کا چھوٹا سا فوارہ اک بلند ہوا
تڑپ کے رہ گئے سرور کلیجہ تھام لیا
جما تھا خون جو آنکھوں پہ اس کو پونچھ دیا
لہو سے صاف جونہی چشم زخمدار ہوئی
تو پھر زیارت آقائے ذی وقار ہوئی

یہ بولے حضرت اکبرؑ سے حضرتِ عباسؑ
مجھے اُٹھا کے بٹھاؤ نہ ہو ابھی سے اُداس
کھڑے ہیں سامنے آقا مرے تو کیسی یاس
بجھالوں ترسی ہوئی چشم خونفشانکی پیاس
یہ سوچتا ہوں کہ تعظیم کو اُٹھوں کیوں کر
قدم پہ سرور والا کے میں جھکوں کیوں کر

حسینؑ بولے کہ بھائی تمہیں خیال ہے کیا
ادب کا وقت نہیں دل میں پھر ملال ہے کیا
جناں کو جائیں گے سب اس میں احتمال ہے کیا
غمِ فراق سے دیکھو تو میرا حال ہے کیا
جگر پہ داغ نہ دینا مجھے جدائی کا
یہ کہنا مان لو ہنگام نزع بھائی کا

دیا جواب یہ عباسؑ نے کہ اے آقا
ملال مرنے کا اپنے نہیں مجھے بخُدا
اگر ہے رنج مجھے تو ہے رنج بس اتنا
کہ مشک لے کے در خیمہ تک پہنچ نہ سکا
یہ وقت وہ ہے کہ اب بات کی نہیں جاتی
گھٹا ہے سینہ میں دم سانس لی نہیں جاتی

یہی ہے عرض مری آپ کچھ نہ گھبرائیں
جو ہوسکے تو بیابان ہی میں دفنائیں
حضور خیمہ میں لاشہ مرا نہ لے جائیں
تباہ حال پہ بس اتنا رحم فرمائیں

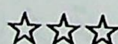
جو لاش خیمۂ اہل حرم میں جائے گی
پسِ فنا بھی سکینہؑ سے شرم آئے گی

کیا تھا پانی کا وعدہ مگر پلا نہ سکا
میں اپنی پیاری بھتیجی کو منہ دکھا نہ سکا
غضب ہے تشنگیٔ بے زباں بجھا نہ سکا
کجا حضور میں بچوں کے کام آ نہ سکا

نہ ہاتھ شانوں پہ باقی نہ خون تن میں ہے
آخیر وقت تشنّج سا اک بدن میں ہے

یہ کہتے کہتے پھریں پُتلیاں ڈھلا منکا
ابھی ابھی جو فروزاں تھا وہ چراغ بجھا
نہیں مشیّت پروردگار میں چارا
قلم کو روک کے کر اے جواں آہ و بکا

وفورِ غم سے شہ مشرقینؑ روتے ہیں
شہید راہ خدا پر حسینؑ روتے ہیں



مرثیہ

فکر بھی پست طبیعت میں روانی بھی نہیں
آگیا دَور ضعیفی کا جوانی بھی نہیں
ہو چکی گنگ زباں، زور بیانی بھی نہیں
عہدِ ماضی کی وہ اب شعلہ فشانی بھی نہیں
کیا مرے پاس ہے جس چیز پہ میں ناز کروں
پھر بھی بے بال و پر ہی کہتی ہے پرواز کروں

سلب کرتی ہوئی طاقت کو ضعیفی آئی
جھریاں تن پہ پڑیں مُنہ پہ اداسی چھائی
آتے ہی دَورِ خزاں نے وہ قیامت ڈھائی
گلشن ہستی قامت کی مٹی رعنائی
ناز جس پر تھا وہ طوفان جوانی نہ رہا
بہتے دریا میں قیامت ہے کہ پانی نہ رہا

عضو کمزور ہوئے سانس نے بدلی رفتار
زیست سے خود تو امنگوں سے ہوا دل بے زار
ناتوانی نے بنایا مجھے گرتی دیوار
پھر بھی یہ فکر رسا کا ہے تقاضا ہر بار
کھینچ کر صفحۂ قرطاس پہ دنیا رکھ دوں
توڑ کر دامنِ گیتی پہ ستارا رکھ دوں

انقلاباتِ زمانہ کی نہ پوچھو تاثیر
ٹکڑے ٹکڑے ہوئی جاتی ہے نفس کی زنجیر
پھرتی ہے موت کی آنکھوں میں بھیانک تصویر
چلنے والا نہیں اب کوئی بھی عذر تاخیر
آ گیا کوچ کا پیغام تو جانا ہوگا
قافلہ صبح سے پہلے ہی روانا ہوگا

وہ اُمنگیں ہیں نہ وہ جوش جوانی باقی
عمر رفتہ کی مگر کچھ ہے نشانی باقی
ہو چکی خشک ندی پھر بھی ہے پانی باقی
کند تلوار میں اب بھی ہے روانی باقی
لا مکاں کی بھی خبر فکر رسا لائی ہے
عرش سے آگے تصور میں نظر جاتی ہے

اس بڑھاپے میں بھی ہے ذوق کا اصرار وہی
بولا جاتا نہیں اور حسرتِ گفتار وہی
گر چکی دھار مگر ہے ابھی تلوار وہی
آج بھی میرے تخیّل کی ہے رفتار وہی
ناتواں گو ہوں مگر شوق ہے سیاحی کا
عزم رکھتا ہوں میں شبیرؑ کی مداحی کا

نابلد راہ سے منزل سے شنا سا بھی نہیں
واقفِ رازِ حقیقت ہوں یہ دعویٰ بھی نہیں
جس سے مشہور زمانہ ہوں وہ سودا بھی نہیں
ایک قطرہ ہوں بہر حال میں دریا بھی نہیں
وہ مرا وقت نہ اب وہ ہے زمانہ میرا
درس عبرت ہے بہر حال فسانہ میرا

ہے زمانے میں ترے دست کرم کا شہرا
کوئی سائل بھی کسی وقت نہ خالی پلٹا
جس نے جو مانگا وہی تو نے اُسے بخش دیا
لوگ کونین کا کہتے ہیں تجھے عقدہ کشا
نام جس وقت ترا منہ سے نکل جاتا ہے
گرنے والا بخدا خود ہی سنبھل جاتا ہے

آج مجھ رند کو چلو سے پلانا ہوگی
وسعت فیض کرم تجھ کو دکھانا ہوگی
مجھ سے ناچیز کی توقیر بڑھانا ہوگی
تشنہ لب میں ہوں مری پیاس بجھانا ہوگی

پی کے اٹھوں گا محبت کی قسم کھاتا ہوں
میں تری چشم عنایت کی قسم کھاتا ہوں

میں بھی ہوں ایک تری چشم کرم کا محتاج
پیاس سے سوکھے ہوئے ہونٹ فسردہ ہے مزاج
مال و زر کی ہے تمنا نہ مجھے چاہیے تاج
التجا یہ ہے کہ رکھ لینا بھری بزم میں لاج

دیر کا وقت نہیں جام چھلکتا دیدے
روح تازہ کرے وہ پھول مہکتا دیدے

ترے میخانے میں رندوں کا ازل سے ہے جماؤ
فیض تیرا ہے کہ چڑھتے ہوئے دریا کا بہاؤ
الغرض سارے زمانے کو تجھ ہی سے ہے لگاؤ
ڈگمگاتی ہے مری دامن گرداب میں ناؤ

یہ تو کہتا نہیں میں توڑ کے تارا دیدے
پار ہو جاؤں فقط اتنا سہارا دیدے

قابل دید ہے میخانۂ ساقی کی بہار
موج مئے کونہیں خود دیکھ کے رندوں کوقرار
شیشے سے جام میں آنے کے لئے ہے تیار
میکساران محبت کا بڑھے تو اصرار
چشم ساقی کا اشارا جو کہیں پا جائے
جام خود اٹھ کے ہتھیلی پر ابھی آجائے

کیوں نہ میخوار کریں اپنے مُقدر پہ غرور
مل گیا جام ہوا عفو کا طالب بھی قصور
تھا نہاں بادۂ رنگیں میں قیامت کا سرور
روح تازہ ہوئی آنکھوں کا بڑھا اور بھی نور
اُٹھ گیا بیچ سے پردہ کوئی پردا نہ رہا
خانۂ دل میں جلی شمع اندھیرا نہ رہا

کون کرسکتا ہے میخانۂ احمدؐ کی ثنا
بہتا رہتا ہے یہاں فیض کرم کا دریا
تشنہ لب آئے تو جاسکتا نہیں ہے پیاسا
مانگنے دیتی نہیں ہے کبھی ساقی کی عطا
مل گیا جام تو اب کام میں غفلت کیسی
کربلا جانے میں رخصت کی اجازت کیسی

آنکھ جھپکی تھی کہ میں دشت بلا میں پہنچا
کیا بتاؤں کہ ان آنکھوں نے وہاں کیا دیکھا
خیمہ زن ریت پہ ہے قافلۂ شاہِ ہدا
راہ ملتی نہیں جانے کا رُکا ہے رستا
فوجیں اتری ہوئی ہر سو ہیں جفا کاروں کی
ٹھہری ہے آل نبیؐ چھاؤں میں تلواروں کی

ایسی بیکس پہ لعینوں نے ستم کی ٹھانی
گھاٹ بھی بند ہیں دریا کے، رُکا ہے پانی
تشنہ کاموں کے لئے شاہ کو ہے حیرانی
پھر بھی شاکر ہے مشیّت پہ علیؑ کا جانی
بھیڑ سے فوج کی ہرگز نہیں ڈرنے والا
دے گا اعدا کو سبق جنگ کا مرنے والا

لڑ کے لاکھوں سے گئے سوئے جناں سب انصار
لُٹ چکی سرور دیں کے بھی گلستاں کی بہار
خود بھی سر دینے کو حق پر ہیں خوشی سے تیار
بیعت فاجر و فاسق سے ہے اب بھی انکار
آپ تیار ہیں ہر ظلم اُٹھانے کے لئے
مرنا منظور ہے اسلام بچانے کے لئے

کون ہے اب جسے میدان وغا میں بھیجیں
کس کو مرنے کے لئے راہ خدا میں بھیجیں
کون ہے اب جسے میدان قضا میں بھیجیں
سوچ یہ ہے کسے دنیائے وفا میں بھیجیں
اب تو اکبرؑ کا بھی سرورؑ کو سہارا نہ رہا
چل بسا سوئے جنان آنکھ کا تارا نہ رہا

جلوہ گر پشت پر دلدل کے ہیں دنیا کے امام
جنبش تیغ سے رہ رہ کے تڑپتی ہے نیام
جب کھنچے گی تو کرے گی شہہ والا سے کلام
میں پلادوں گی لعینوں کو ابھی موت کا جام
دستِ حق کی انہیں آنکھوں سے صفائی دیکھی
میں وہ ہوں جس نے محمدؐ کی لڑائی دیکھی

استغاثہ جو کیا حضرت والا نے بلند
شیحہ بھرنے لگا میدان میں مولاؑ کا سمند
خطرہ تیروں کا ہوا دل میں نہ کچھ خوف کمند
اب بڑھیں شاہ ہدا بس یہی آتا تھا پسند
ہر نفس پاؤں اُٹھاتا تھا بڑھانے کے لئے
لاش پر لاش لعینوں کی گرانے کے لئے

سنتے ہی شہہؑ کی صدا ایک زمانہ چونکا
زعفر جن بھی اجازت کا طلب گار ہوا
سب کو برباد کروں اذن ہوا نے مانگا
دیجیئے حکم جلادوں ابھی آتش نے کہا
موت بھی حق کی بہر حال طرف دار ہوئی
آ کے سرورؑ سے اجازت کی طلب گار ہوئی

کون ایسا تھا کہ جس نے نہ اجازت چاہی
ہر بہی خواہ نے مولیٰ سے سعادت چاہی
پردۂ جنگ میں ہر شخص نے جنت چاہی
ذرّے ذرّے نے غرض آپ کی نصرت چاہی
شہہؑ نے فرمایا لعینوں کو دکھانا تھا مجھے
آزمائش کے لئے تم کو بلانا تھا مجھے

تم مدد میری کرو یہ مجھے منظور نہیں
ایسا دنیائے رضا میں کہیں دستور نہیں
جنگ کا وقت بھی آ پہنچا کوئی دُور نہیں
ان لعینوں سے بہر حال میں مجبور نہیں
دے کے سراب تو سوئے خلد مجھے جانا ہے
حکم خلاق دوعالم کا بجا لانا ہے

تم سدھارو مِری الفت کا صلا پاؤ گے
وقت آنے پہ سوئے باغ جناں جاؤ گے
میوۂ خلد بریں تم بھی کبھی کھاؤ گے
میں جہاں ہوں گا مِرے پاس وہیں آؤ گے

کہہ دیا مُنہ سے تو امداد میں شرکت کردی
اس طرح تم نے مِری دُور مصیبت کردی

ناگہاں اہل حرم کی جو سنی آہ و بکا
پلٹے خیمے کی طرف رَن سے امام دوسرا
دیکھ کر حال پسرِ ضبط پہ قابو نہ رہا
پانی ممکن نہیں دو دن سے، ہے پیاسا بچا

اٹھ کے زینبؑ نے سبھی حالت ناشاد کہی
گذری جو کچھ تھی شہہ دیں سے وہ رُوداد کہی

آپ کی سنتے ہی آواز یہ ننھا بچا
اس طرح ہمکا کہ جھولے سے زمیں پر آیا
کم ہوئی جب سے نہ معصوم کی پھر آہ و بکا
لاکھ تدبیر کی میں نے نہ مگر یہ بہلا

اور کیا بھائی کہوں تم سے کہانی اس کی
قابل رحم ہے اب تشنہ دہانی اس کی

لاکھ چمکارتی تھی کرتی تھی میں پیار پہ پیار
پھر بھی آغوش میں آتا نہ تھا بچہ زنہار
مضطرب حد سے زیادہ تھا نہ لیتا تھا قرار
ماں سے برہم نظر آتا تھا تو مجھ سے بیزار

آپ کا نام لیا جب تو اٹھایا میں نے
دے کے تسکین کلیجے سے لگایا میں نے

ایک چلّو جو میسر کہیں پانی ہوجائے
میرے بے شیر کی کم تشنہ دہانی ہوجائے
ختم ایذائے غم سوز نہانی ہوجائے
ابھی جانبر مرے بھائی کی نشانی ہوجائے

عمر کیا ہے ابھی معلوم ہے اصغرؑ میرا
شیر مادر سے بھی محروم ہے اصغرؑ میرا

شہہ نے فرمایا نہ گھبراؤ بہن جاتا ہوں
مانگے مل جائے گا پانی تو ابھی لاتا ہوں
حال بے شیر جفا کاروں کو دکھلاتا ہوں
ہوں میں پابند رضا اس کی قسم کھاتا ہوں

آدمی کی کوئی تدبیر کہاں چلتی ہے
موت آتی ہے تو ٹالے سے نہیں ٹلتی ہے

لے کے ہاتھوں پہ چلے اصغرؑ بے شیر کو شاہ
یاس سے چہرۂ معصوم پہ کرتے تھے نگاہ
دیکھا جاتا نہ تھا بیکس کا مگر حال تباہ
شدتِ تشنہ لبی تشنہ لبی کی تھی گواہ

شکوہ پھر بھی نہ زباں پر تھا ستم رانی کا
مانگنا شاق تھا بچے کے لئے پانی کا

جانتے تھے نہ لعینوں سے ملے گا پانی
رحم بچے پہ نہ کھائیں گے ستم کے بانی
کیا کروں گا نہ اگر میری نصیحت مانی
ہوگی معصوم کی بھی حق کے لئے قربانی

خونِ اصغرؑ سے بھی اسلام ہی پیارا ہے مجھے
نصرتِ حق کے لئے یہ بھی گوارا ہے مجھے

باپ سے کرتا تھا بے شیر اشاروں میں کلام
طالب آب نہیں آپ کا ادنیٰ یہ غلام
دیکھئے فرد شہیداں میں ہے میرا بھی نام
مل بھی جائے تو پیوں گا نہ چھلکتا ہوا جام

سرخرو ہو کے مجھے سوئے جناں جانا ہے
اب چھلکنے کو مری عمر کا پیمانہ ہے

خود بھی پیاسے ہیں مری پیاس کا صدمہ نہ کریں
پانی اب مانگنے کا آپ ارادہ نہ کریں
اضطراب دل معصوم کا چرچا نہ کریں
اب لعینوں سے کسی کا شکوا نہ کریں

چاہتا ہوں کہ چھدے حلق تو خوں ہو جائے
پیاس کچھ اور بھڑک لے تو سکوں ہو جائے

آپ صابر ہیں تو صابر کا ہوں میں لختِ جگر
پردۂ تشنہ دہانی میں ہے اُمت پہ نظر
دیکھئے پیاس کا اب مجھ پہ نہیں کوئی اثر
آپ سے پہلے مرا ہوگا زمانے سے سفر

رن میں جب حلق پہ میں تیر ستم کھاؤں گا
مسکراتا ہوا جنت کی طرف جاؤں گا

آپ میرے لئے بیکار پریشاں کیوں ہیں
پانی ممکن نہیں ہوتا ہے تو حیراں کیوں ہیں
ایک ساغر کے لئے غیر سے خواہاں کیوں ہیں
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہراساں کیوں ہیں

دے چکے جان سبھی اب تو مری باری ہے
آپ کا حکم طلب کوچ کی تیاری ہے

مجھ کو تو نصرتِ حق کے لئے مرنا ہے ابھی
آپ کے ہاتھوں پہ کچھ دیر ٹھہرنا ہے ابھی
اپنے ہی خوں میں نہانا ہے نکھرنا ہے ابھی
تا ابد نام رہے کام وہ کرنا ہے ابھی

غم کی برچھی دل بے تاب پہ کھانا ہوگی
آپ کو لاش بھی اصغرؑ کی اٹھانا ہوگی

دل میں ہمت ہے تو پھر موت سے ڈرنا کیسا
نام پہ مرتے ہیں جینے کا تو مرنا کیسا
ڈوب کر صبر کے دریا میں ابھرنا کیسا
بے اجل وادی ہستی سے گزرنا کیسا

اس طرح آپ کی امداد کروں گا بابا
تیر کھالوں گا نہ فریاد کروں گا بابا

ان اشاروں کو پسر کے شہ والا سمجھے
یوں ہی بے چین تھے کچھ اور بھی بے چین ہوئے
حرف قسمت کے کسی طرح مٹائے نہ مٹے
سامنے لشکر اعدا کے جو سرور پہنچے

دیکھ کر شاہ کو سب فوج لعین کانپ گئی
کرب بے شیر سے صحرا کی زمیں کانپ گئی

شہ نے فرمایا کہ مطلوب نہیں جنگ ابھی
لے کے آئی ہے یہاں مجھ کو ضرورت میری
چھ مہینے کے ہے بچے کی زباں سوکھی ہوئی
دیکھی جاتی نہیں معصوم کی اب تشنہ لبی

ہو سکے تم سے تو اک جام ہی لا دو پانی
اس بلکتے ہوئے بچے کو پلا دو پانی

میں خطا وار سہی یہ تو خطا وار نہیں
تم سے بچہ تو مرا برسر پیکار نہیں
میں کچھ اپنے لئے پانی کا طلب گار نہیں
جس کو پیاسے سے تنفّر ہو وہ دیندار نہیں

رحم معصوم کی اب تشنہ دہانی پہ کرو
بخل للہ نہ بہتے ہوئے پانی پہ کرو

شدت تشنہ دہانی سے ہیں اصغرؑ بے جاں
ہونٹ سوکھے ہوئے ہیں پیاس سے تو خشک زباں
ابھی بھی رکھتے نہیں اس طرح ہیں ہاتھوں پہ تپاں
ان کی مشکل تو کرو بہر خدا تم آساں

دکھ پہ دکھ دیتی ہے اب تشنہ دہانی کیسا
شیر مادر سے بھی محروم ہیں پانی کیسا

گر مری بات کا آتا نہیں ہے تم کو یقیں
پوچھ لو بچے سے خود تشنہ دہن ہے کہ نہیں
لو لٹاتا ہوں میں معصوم کو بالائے زمیں
تم پلا دو اسے پانی نہ میں آؤں گا قریں
بیٹا منہ پھیر کے تم آپ ہی اصرار کرو
ہو اگر پیاسے تو خود پیاس کا اقرار کرو

یہ جو کہتے ہوئے بے شیر نے بابا کو سنا
خود بخود لشکر اعدا کی طرف منہ پھیرا
کھول کر آنکھ جو دیکھا تو بکثرت دیکھا
شدت تشنہ دہانی سے نہ کی آہ و بکا
خشک ہونٹوں پہ زباں پھیر کے دکھلانے لگے
حال معصوم پہ سب خوف سے تھرانے لگے

شہہ نے اعدا سے کہا اب تو کرو گے باور
مضطرب تشنہ لبی سے ہے مرا لخت جگر
کس طرح بھڑکی ہوئی پیاس سے ہوگا جانبر
ہو جو ممکن تو پلادو اسے پانی لاکر
یہ سلامت ہے تو آغوش نہ سونی ہوگی
ورنہ اس دل کی خلش اور بھی دونی ہوگی

سنتے ہی سبط پیمبر کے یہ پُر درد کلام
بج گیا لشکر اعدا میں یکا یک کہرام
کوئی بولا کہ پلادو اسے پانی اک جام
کوئی بولا کرو بے شیر کا بھی قصہ تمام
بحث ہونے لگی اس طرح ستمگاروں میں
تفرقہ پڑنے لگا فوج کے سرداروں میں

مائل رحم ہوا جب نہ کوئی خانہ خراب
مانگنے سے نہ ملا شاہ کو اک ساغر آب
تپتی ریتی سے لیا گود میں اصغرؑ کو شتاب
اتنے عرصے میں ہوا اور بھی بچہ بیتاب
دھوپ سے شاہ نے اس طرح بچایا اس کو
لے کے دامانِ قبا اپنا اڑھایا اس کو

سوئے خیمہ پھرے پانی کا سہارا چھوٹا
حرملہ سے یہ بن سعد نے اس وقت کہا
دیکھتا کیا ہے کماں کھینچ کے اک تیر لگا
جلد اس تشنہ دہن کا بھی مٹا دے قصا
دیر کی تو نے تو پھر کچھ بھی نہ بن آئے گی
کون روکے گا اگر فوج بگڑ جائے گی

اس ستمگار نے پھر تیر کمان میں جوڑا
تاک کر گردنِ معصوم لعیں نے چھوڑا
حلق بیکس کا چھدا بازوئے شہہ کو توڑا
اس اذیت پہ بھی نصرت سے نہیں منہ موڑا
صبر اصغرؑ کی فضیلت دم رخصت دیکھی
مسکراتے ہوئے شبیرؑ کی صورت دیکھی

رُک کے سرور نے جو معصوم پہ کی ایک نگاہ
تو یہ دیکھا کہ ہے بے شیر کا اب حال تباہ
تیر سے پیاس بجھی مٹ گئی پانی کی بھی چاہ
ہوگیا تو پھر زمانہ ہی نگاہوں میں سیاہ
دل تڑپتا ہوا سینے میں سنبھالا شہہؑ نے
تیر معصوم کی گردن سے نکالا شہہؑ نے

مل لیا چہرۂ انور پہ لہو بیکس کا
آگیا منہ کو کلیجا وہ اُٹھایا صدمہ
شدت زخم سے جب ہاتھوں پہ بچہ تڑپا
پاس سے سوئے فلک آنکھ اٹھا کر دیکھا
ساتھ بے شیر کا جب سانس نے بھی چھوڑ دیا
شاہ کے ہاتھوں پہ معصوم نے دم توڑ دیا

سامنے آنکھ کے جب لختِ جگر سرد ہوا
اس غضب کا دل سرورؑ سے اٹھا اک لوکا
اشک آنکھوں سے بہے ضبط پہ قابو نہ رہا
لے کے بے شیر کو دفنانے چلے شاہ ہدا
تیغ سے قبر جو کھودی تو فضا کانپ گئی
آدمی کیسے بیاباں کی ہوا کانپ گئی

بس جواںؔ روک قلم اب نہیں ہے تاب کلام
کر چکے دفن زمیں میں علی اصغرؑ کو امامؑ
دل میں یہ سوچتے ہیں جاتے ہوئے شاہ انام
آئے گا مادر بے شیر کو کیونکر آرام
سنتے ہی حال پسر رنج سے مرجائے گی
ایک برچھی سی کلیجے میں اُتر جائے گی



مرثیہ

منّی لال جواںؔ (عونؑ و محمدؑ)

(کل بند:۱۹) (انتخاب بند:۱۹)

نکہتِ فکر سخن عرش علا تک پہنچے خوشبواب پھولوں کی محبوبِ خدا تک پہنچے
غنچے غنچے کی مہک شاہِ ہدا تک پہنچے بوئے گل کاش شہیدانِ وفا تک پہنچے
ساقی کوثر و تسنیم کا دل شاد کرے
حور فردوس بھی سونگھے تو مجھے یاد کرے

پھول درکار ہیں کچھ نذرِ پیمبرؐ کے لئے پھول درکار ہیں کچھ مادرِ سرورؑ کے لئے
پھول درکار ہیں کچھ ساقیِ کوثر کے لئے پھول درکار ہیں کچھ مجھ کو بہتر کے لئے
پنجتن سے انہیں پھولوں کا صلا پاؤں گا
آج دامانِ طلب سے بھی سوا پاؤں گا

چُن چکا پھول تو آ نیند نے گھیرا مجھ کو بن گیا عید کا پیغام اندھیرا مجھ کو
درِ جنت پہ ہوا جا کے سویرا مجھ کو میری تقدیر نے ناکام نہ پھیرا مجھ کو
پاسبانِ درِ فردوس سے کچھ بات ہوئی
مسکراتے ہوئے رضواں سے ملاقات ہوئی

بعد کچھ دیر کے میں اس سے سوا عرض رسا دیر کرنے کا یہ ہنگام نہیں ہے اصلا
کون سے قصر میں محبوبِ الٰہی ہیں بتا پیش کرنا ہے مجھے باغِ سخن کا تحفا
راستہ چشمۂ کوثر کا بتا دے مجھ کو
قصر خاتونِ جناں کا بھی دکھا دے مجھ کو

بادۂ عشق سے سرشار جو پایا مجھ کو راستہ چشمۂ کوثر کا دکھایا مجھ کو
قصر خاتونِ جناں کا بھی بتایا مجھ کو سامنے لے کے پیمبرؐ کے پھر آیا مجھ کو

ہو کے خم میں نے گلِ باغِ سخن پیش کیئے
اس طرح حسن عقیدت کے چمن پیش کیئے

تحفہ مقبول نظر ہوتے ہی یہ حکم ہوا لے کے جا خدمت زہراؑ میں گلِ فکرِ رسا
ربِّ اکبر سے کروں گا میں ترے حق میں دعا جو بھی مانگے گا وہ دوں گا ترے پھولوں کا صلا

تو میری چشمِ عنایت کے اب آغوش میں ہے
مانگ جو چاہے کہ دریائے کرم جوش میں ہے

یہ جو سرتاجِ دوعالم سے مجھے حکم ملا گرتا پڑتا درِ خاتونِ جناں پر پہنچا
حورِ جنت کے ذریعہ سے ہوا عرض رسا لے کے آیا ہوں گلِ باغِ سخن کا تحفا

گر یہ تحفہ مرا مقبول نظر ہو جائے
تو مری شامِ مصیبت کی سحر ہو جائے

حکم ہے خلد میں چاہے جدھر آئے جائے کہ دو رضواں سے اسے باغِ جناں دکھلائے
پھل جو مرغوبِ طبیعت ہوں وہی پھل کھائے جب ہو فرصت تو مرے پاس پلٹ کر آئے

اس کے پھولوں کا مجھے آج صلا دینا ہے
؛یہ ابھی کہہ نہیں سکتی ہوں کہ کیا دینا ہے

حورِ جنت سے کہا میں نے کہ اے ماہ بقا شاہزادی کے لئے دل سے نکلتی ہے دعا
اور اللہ کرے ان کے مراتب اعلیٰ اب سوئے ساقیِ کوثر ہے ارادہ میرا

تشنہ کاموں سے ملوں صورتِ سرورؑ دیکھوں
آرزو ہے کہ رُخِ ساقیِ کوثر دیکھوں

لے گیا ذوقِ طلب جب لبِ کوثر مجھ کو　　گرد ساقی کے نظر آئے بہتر مجھ کو
رعب محفل سے خرد دیکھ کے ششدر مجھ کو　　آنِ واحد میں دکھانے لگے تیور مجھ کو
آنکھ دکھلا کے کہا نذر بخشی ہوش نہ کر
ساقیِ بزم کی تعظیم فراموش نہ کر

بے خودی سے جو میں چونکا تو کیا جھک کے سلام　　ہو گئی گنگ زباں آ نہ سکا لب پہ کلام
ہنس رہے تھے مری حالت پہ اماموں کے امام　　خود بخود گردشیں کھاتا تھا سرِ کوثر جام
پاس انگلی کے اشارے سے بلایا مجھ کو
صف میں رندوں کی محبت سے بٹھایا مجھ کو

میں نے گلدستۂ گلہائے سخن پیش کیا　　سُن کے فرمایا کہ تحفہ ترا مقبول ہوا
مانگ ان کھلتے ہوئے پھولوں کا بے خوف صلا　　جو طلب مجھ سے کرے گا وہی تجھ کو دوں گا
غنچے غنچے سے غمِ دل کی صدا آتی ہے
تیرے پھولوں سے مجھے بوئے وفا آتی ہے

ساقی نامہ کے کچھ بند ہیں۔ پھر عونؑ و محمدؑ اور جناب زینبؑ کی گفتگو اور بچوں کا طلب علم کا بیان ہے۔

کام اگر آج نہ آؤ گے تو کب آؤ گے　　ہوگا انجام یہی بعد کو پچھتاؤ گے
موت غازی کی جو ہوگی تو صلہ پاؤ گے　　سرخرو ہو کے سوئے خلد بریں جاؤ گے
لطف تو جب ہے دمِ نزع بھی دل شاد رہے
جو ہے احسان امامِ دوسرا یاد رہے

بولیں زینب کہ یہ زیبا نہیں بچوں کو کلام　　ہاں علم دینے نہ دینے کے ہیں مختار امام
کیوں سمجھتے نہیں تم خود کو شہ دیں کا غلام　　جنگ کرنے کو چمکتی ہوئی کافی ہے حسام

تم علم کے لئے آزردہ مرے لال نہ ہو
وہ ہوس کیا کہ جو شایانِ سِن و سال نہ ہو

تم علم لے کے کرو جنگ بہت مشکل ہے　　یاد رکھو مرے بچو یہ کڑی منزل ہے
مانا لبریز شجاعت سے تمہارا دل ہے　　جو مناسب نہیں اس عرض سے کیا حاصل ہے

یہ مجھے بارِ گراں ہے جو علم چاہتے ہو
موت سے پہلے ہی گلزارِ ارم چاہتے ہو

جب زینب کی زباں سے سنے بچوں نے کلام　　نیمچہ اس نے لیا کھینچ لی اس نے بھی حسام
بولے ہم [illegible] کے قسم کہتے ہیں دونوں ہی غلام　　جیتے جی میان میں رکھنے کے نہیں ہیں صمصام

دھیان بھولے سے کوئی اور نہ لانا مادر
مر کے آئیں تو کلیجے سے لگانا مادر

تیغیں کھینچیں ہوئے دونوں نے بڑھائے رہوار　　زد پہ جو آ گیا زندہ نہ بچا وہ زنہار
مر کے گرنے لگے صحرا میں سواروں پہ سوار　　ساتھ ہی ساتھ میں ہوتے تھے برابر دو وار

بجلیاں کوند کے دو ہوش اڑا دیتی تھیں
خرمن زیست لعینوں کو جلا دیتی تھیں

جناب عونؑ و محمدؑ کی شہادت پر جناب زینبؑ اس طرح بین کرتی ہیں۔

بات کیا ہے کہ جو دیتے نہیں مادر کو جواب　　کیا کہا میں نے تمہیں کس لئے اتنا ہے عتاب
اٹھو لگ جاؤ کلیجے سے مرے آ کے شتاب　　مضطرب ماں ہے تمہارے لئے مثل سیماب

کیا کہا میں نے جو تم اتنا بُرا مان گئے
بے ملے مجھ سے سوئے خلد مری جان گئے

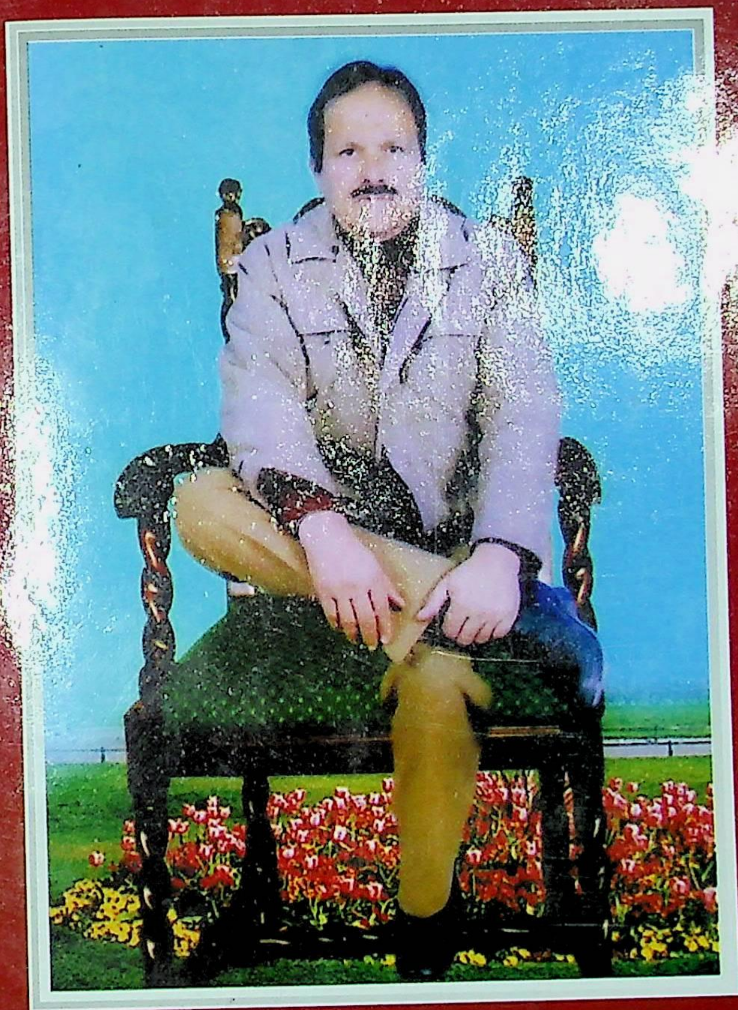
نہ رچائی ابھی شادی ہی نہ سہرے دیکھے　　سوچتے کیا ہو اٹھو جلد ملو مادر سے
فرطِ غم سے ہوئے جاتے ہیں جگر کے ٹکڑے　　بات یہ کیا ہے جو بیزار ہوئے ہو ایسے

اٹھ کے دیکھو تنِ نازک پہ ہوا دیتی ہوں
بولتے کیوں نہیں تم کو میں صدا دیتی ہوں

نگارشات تُرابی

نمبرشمار	نام کتاب	تعداد صفحات	سال اشاعت
1	رتۂ اؤش	144	2002ء
2	خونناب	444	2003ء
3	نوائے مقتل	344	2005ء
4	نوائے سروش (اشاعت دوم)	376	2007ء
5	خوٗنہٕ اچھر	520	2007ء
6	راس المال	460	2007ء
7	ماتھر لکھنوی حیات اور شاعری	192	2008ء
8	صحیفۂ نور	512	2008ء
9	صابر شکوہ آبادی کے مرثیے اور سلام	92	2008ء
10	موجِ خون	520	2009ء
11	مخمور لکھنوی حیات اور کلام	104	2009ء
12	سیلِ عشق	120	2010ء
13	اقبال تہٕ فلسفۂ خودی	136	2011ء
14	مشغول حق ہوں......	140	2011ء
15	خونیں نوا	844	2011ء
16	پرتوِ نوٗر	116	2012ء
17	اشکِ خلوص	144	2012ء
18	اقبال کا فلسفۂ خودی	576	2014ء
19	شاہِ ولایتؑ اور شاہانِ ہند	568	2014ء
20	توشۂ قلندر	108	2017ء
21	آہ وفغاں	240	2017ء
22	توفیقِ ازل	324	2017ء
23	مالک سنگھ وفا اور آلِ محمدؐ	زیرِ قلم	
24	اُلفت رائے اُلفت کے مرثیے اور سلام	زیرِ قلم	
25	نشاط کشتواڑی اور حکیم منظور کے سلام	زیرِ قلم	
26	خورشیدِ نو	زیرِ قلم	

Toosha-e-Qalandar



عرفان ترابی

TURABI PUBLICATIONS
Kawa Pora, Sonawari, P.O. Shadi Pora
Pin: 193501 Kashmir. Ph: 9469038296